بھائی بھائی

28

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ
ایم اے، پی ایچ ڈی

کتاب منزل ــ لاہور

“Blessed are the Peace maker, for they shall be called the children of God.”

New Translation St. Mathew, 5.9

’’مبارک ہیں وہ لوگ جو امن پسند ہیں،
کیونکہ وہ خداوند کے بیٹے کہلائیں گے‘‘
بائیبل : نئی کتاب : سینٹ میتھیو، ٩:٥

بھائی بھائی

(شیعہ سنی)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ایم اے، پی ایچ ڈی

ناشر

کتاب منزل لاہور

✓
۲۹۷۸۹
ب ا م ب
۸۸۲۲

جملہ حقوق محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۶

مصنف .... ڈاکٹر غلام جیلانی برق
طابع .... شیخ نیاز احمد
مطبع .... علمی پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر .... کتاب منزل لاہور
اشاعت .... اگست ۱۹۵۹ء
قیمت .... پانچ روپے

شکریہ

ضلع اٹک کے ایک قصبہ تلہ گنگ میں میرے ایک عزیز دوست اور بھائی رہتے ہیں۔ مولوی غلام جیلانی مولوی فاضل و منشی فاضل۔ عربی اور فارسی کے جیّد عالم اور کتابوں کے شیدائی ان کے ہاں پشتوں سے ایک قدیم کتب خانہ چلا آتا ہے۔ جس میں بعض کتابیں ایسی ہیں جو شاید ہی کہیں اور دستیاب ہوں۔ موصوف نے اس کتب خانے کے دروازے مجھ پہ کھول دیئے۔ اور اس کتاب کی تکمیل اسی فیّاضی کا نتیجہ ہے۔ میں خلوص دل سے اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

برق۔ کیمبلپور
۳ر اگست ۱۹۵۸ء

تاریخ تکمیلِ کتاب

آغازِ تحریر	۲ر جولائی ۱۹۵۸ء
تکمیل کتاب	۳ر اگست ۱۹۵۸ء

الفہرس

۱۔ حرفِ اوّل ۹
روایتی اسلام ۱۳
اہمیتِ عمل ۱۴
مقامِ غور ۱۷
مقصدِ کتاب ۱۹
کتاب کا ردِعمل ۲۱
۲۔ بابِ اول۔ شیعہ و سُنّی کا مشترک ورثہ ۲۴
صحابہ ۲۸
تابعین ۳۱
علماء ۳۳
اربابِ سیاست ۳۴
۳۔ بابِ دوم۔ القرآن الحکیم ۳۷

	نظریۂ تحریفِ قرآن کا موجد	۴۸
	جنگِ جمل	۵۳
	دیگر فرقے	۵۹
	اب صورتِ حال بہتر ہے	۶۲
	جمع قرآن کی تاریخ	۶۳
	جمع قرآن	۶۶
	حفاظتِ قرآن	۷۰
	امامیہ اور قرآن	۷۴
	بیانِ قرآن	۸۸
۴۔	**باب سوم۔ حدیث**	۹۲
	راویانِ امامیہ	۹۵
	اہمیتِ حدیث و معیارِ صحت	۱۰۰
	احادیثِ اہلِ سنت	۱۰۲
	احادیثِ امامیہ	۱۰۳
	سچائی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی	۱۰۴
۵۔	**باب چہارم۔ خلافت و امامت**	۱۰۶
	خلافت امیر المومنین	۱۱۰
	بیعتِ علیؑ کی صحیح کہانی	۱۲۱

بیعت کیوں کی؟
غصبِ خلافت اور خلفائے ثلاثہ
"من کنت مولاہ" کی تشریح اہلِ سنت کے نقطۂ خیال سے
دو واقعات
خلافتِ ظاہری اور ائمہ اہلِ بیت
"مولیٰ" کی امامیہ تشریح
یہ نزاع ......
مسئلۂ امامت
صحیح وغلط کا ایک عمدہ معیار
۶۔ باب پنجم حضرت امیرؑ اور خلفائے ثلٰثہ کے تعلقاتِ محبت
فدک
قرابتیں
خلفائے اربعہ کی آرا ایک دوسرے کے متعلق
چند متفرق واقعات
آلِ رسول کے نام
تاریخ میں تحریف
۷۔ باب ششم۔ خلفائے ثلاثہ قرآن کی روشنی میں

ایمانِ خلفا پہ واقعاتی دلائل ۲۰۳
ایمانِ خلفا پہ قرآن کی شہادت ۲۰۷
۸۔ بابِ ہفتم۔ خلفائے ثلاثہ ائمہؑ و علمائے امامیہ کی نظر میں ۲۵۵
حضرت صدیقؓ کے متعلق آرا، ۲۶۰
حضرت عمرؓ بن خطاب ۲۷۲
حضرت عثمانؓ ۲۷۷
۹۔ بابِ ہشتم۔ تقیہ ۲۸۰
ایک سازش ۲۸۷
نسلِ آدم ایک گھرانہ ہے ۲۹۹
۱۰۔ ضمیمہ (۱) مسلمانانِ مکہ جو حضور صلعم کی زندگی میں اسلام لائے تھے ۳۰۰
۱۱۔ ضمیمہ (۲) شیعی فرقے ۳۱۳
۱۲۔ ضمیمہ (۳) شہدائے کربلا کی فہرست ۳۱۹
۱۳۔ ضمیمہ (۴) خلفائے راشدین، ملوکِ امیہ، سلاطینِ عباسیہ اور بنو فاطمہ مصر ۳۲۲
۱۴۔ مآخذ ۱۔ کتبِ امامیہ ۳۲۸
۲۔ کتبِ اہلِ سنت ۳۳۰
۳۔ دوسری کتابیں ۳۳۲
۴۔ غیر مسلم مصنفین کی کتابیں ۳۳۲

حرفِ اوّل

میرا بچپن ضلع اٹک کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بیتا۔ جہاں ایک ہی فرقہ تھا یعنی سنّی۔ ایک ہی مسجد اور ایک ہی ملّا تھا۔ ابتدائی مذہبی کتابیں یا وہاں پڑھیں اور یا وہاں سے چھ میل دور ایک گاؤں اورنگ آباد میں جہاں دو عالم مسجد میں فی سبیل اللہ طلبا کو پڑھاتے تھے اور اُن کے درس میں قندھار اور غزنی تک کے طالب العلم موجود ہوتے تھے۔ ان طلبہ میں آئے دن مذہبی بحثیں ہوتیں اور تمام اسلامی فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ نظر ڈالی جاتی تھی۔ میں نے مذہبی عقائد اسی ماحول سے حاصل کئے۔ میں آغاز میں ایک کٹر قسم کا سنّی تھا۔ صرف سنیوں کو ناجی اور باقی تمام فرقوں کو گمراہ سمجھتا تھا۔ شیعوں کے متعلق مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ

فرقہ اصحابِ رسول کو گالیاں دیتا، قرآن کا انکار کرتا اور اسلام کا شدید دشمن ہے۔ میرے یہ تاثرات مدت تک قائم رہے۔ پھر جب میں نے ۱۹۲۴ء کے قریب اسلام ہی کو چھوڑ دیا تو یہ تاثرات بھی دھندلا گئے۔ ۱۹۲۹ء میں دوبارہ ایمان لایا۔ تو صرف قرآن کو مشعلِ راہ بنایا۔ فرقہ وارانہ عقائد سے منہ موڑ لیا۔ اور نسلِ آدم کو ایک گھرانہ اور قرآن کو ایک مذہب سمجھنے لگا۔ اُس وقت سے اسی نہج پر چل رہا ہوں۔ اس عظیم ذہنی انقلاب کے باوجود شیعوں کے متعلق میرے تاثرات میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی۔ وجہ یہ کہ میں ان کے مذہبی لٹریچر سے بڑی حد تک ناآشنا تھا اور ان کے علمی، ثقافتی اور سیاسی کارناموں سے ناواقف جب تشکیلِ پاکستان کے بعد محرّم کے دنوں میں بعض مقامات پر شیعہ سُنّی تصادم ہونے لگا۔ واقعات دھمکانے لگے۔ اور پاکستان کی سالمیت خطرے میں پڑنے لگی تو میرے فرض نے مجھے پکارا اور میں قلم لے کر میدان میں اُتر آیا۔

اس سلسلہ میں میں نے شیعہ کی تاریخ، فقہ، حدیث اور تفسیر کا مطالعہ کیا۔ اور مجھے پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ اس فرقہ کے متعلق میرے اکثر تاثرات غلط تھے۔ کہ سُنیوں میں شیعوں کے متعلق بے جا بدگمانیاں پھیلی ہوئی ہیں اور کہ دونوں فرقوں کے اہلِ فکر

ونظر مل کر کوشش کریں۔ تو یہ اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔

(اسلام میں سینکڑوں فرقے پیدا ہوئے۔ اور ہر فرقے نے اپنے غلط سلط عقائد کی تائید میں لاکھوں احادیث گھڑ کر رسول و آلِ رسول کی طرف منسوب کیں، یہ جھوٹی روایات صحیح احادیث کے ساتھ یوں خلط ملط ہو چکی ہیں (تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیے) کہ صحیح کو غلط سے الگ کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ آج یہی روایات ہمارے اختلافات کا موجب ہیں۔ بیسیوں مدعیانِ نبوت انہی روایات کا سہارا لے کر اٹھے)۔ غیر اسلامی تصورات انہی روایات کے راستے اسلام میں داخل ہوئے۔ قرآن کی صداقت و قطعیت پر انہی روایات نے وار کیا۔ اور رسول، آلِ رسول اور اصحابِ رسول پر انہی روایات نے حملے کئے (تفصیل کتاب میں)۔

رفتارِ فکر کا طالبِ علم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ آغاز میں نسلِ انسانی ایک کنبہ تھی۔ پھر گروہوں میں بٹ گئی۔ یہ گروہ آپس میں الجھے، ایک دوسرے کے گلے کاٹے اور اللہ کی اس حسین سرزمین کو عناد و نفرت کا جہنم بنا دیا۔ اب پھر فکرِ انسان تاریخ کے اُسی پرانے موڑ پر آ پہنچی ہے۔ آج پھر ہمارے مفکر انسان کو اقدارِ مشترکہ پر جمع کرنے کی سبیل سوچ رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں

بے جبر و اکراہ وفاق میں بدل رہی ہیں اور اقوام متحدہ جیسے اداروں کی بنیاد پڑ رہی ہے۔ غور فرمائیے کہ تالیف و اتحاد کی اس جہاں گیر فضا میں شیعہ و سنّی اختلاف کس قدر انوکھا معلوم ہوتا ہے۔

آج کا انسان علمی، فکری، تمدنی، سیاسی اور ذہنی نقطہائے نگاہ سے بہت بلند ہو چکا ہے۔ ہوائیں اور فضائیں اس کے بس میں ہیں سرکش سمندروں پر اس کی حکومت ہے۔ اس کے سپوتنیک (SPUTNIK) حیرت انگیز رفتار سے زمین کا چکر کاٹ رہے ہیں۔ عناصر اس کے محکوم اور بجلیاں اس کے سامنے مجبور و مقہور ہیں۔ کائنات اس کے علم و خرد سے لرزہ براندام ہے اور زمین اس کے سامنے اپنے خزانے اگل رہی ہے۔ اس رفیع النظر انسان کے سامنے ہم جمعراتوں، چہلموں، عباؤں اور دعاؤں، خالی عقیدوں اور وظیفوں، خلافت کے جھگڑوں اور رگڑوں والا اسلام پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمیں ایک ایسا اسلام پیش کرنا ہے جو جنگ و جدل سے اکتائی ہوئی دنیا کو امن و راحت کا پیغام دے۔ استعمار و اشتراکیت کی گتھیاں سلجھائے۔ جسمانی ظلمتوں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو روحانی تابانیوں کی راہ دکھائے۔ اور نظامِ عالم کو عدل و میزان کی بنیادوں پر استوار کرے۔

اے شیعہ و سُنّی واعظو! خدا کے لئے ذرا تھم جاؤ۔ اور سوچو کہ کیا وہ اسلام، جو تم اپنے مریدوں کے سامنے پیش کرتے ہو اس قابل ہے کہ حکماء و مفکرّینِ عالم کے سامنے رکھا جائے؟ کیا مندوبینِ عالم کے سامنے تم ایک بھی ایسی بات کہہ سکتے ہو جو اُن کی فکر و نظر میں ہیجان پیدا کر دے اور جس میں اُن کے دکھوں کا مداوا موجود ہو؟ کیا تم عصرِ رواں کی مشکلات سے واقف ہو؟ اُن مشکلات کا جو حل قرآن نے تجویز کیا ہے اُس سے آشنا ہو؟ پیامِ قرآن کی عظمت و رفعت سے باخبر ہو؟ اُن اعتراضات سے آگاہ ہو جو علمائے مغرب تمہارے قرآن پہ کر رہے ہیں؟ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو سچ کہہ دوں کہ آپ اِن چیزوں سے واقف نہیں۔ آپ رفتارِ عالم سے محض بے خبر اور پیامِ قرآن سے قطعاً ناآشنا ہیں اور اُس کی بڑی وجہ یہ کہ آپ کا اسلام قرآنی نہیں بلکہ روایاتی ہے۔ آپ جن اختلافات پہ لڑ رہے ہیں۔ وہ روایات سے ماخوذ ہیں۔ قرآن میں تو بو بکرؓ و علیؓ کا ذکر تک موجود نہیں ہے۔

روایتی اسلام

روایتی اسلام ایک بڑا ہی دلچسپ اسلام ہے اس کی ایک "خوبی" یہ کہ آتشِ اختلاف کو کبھی بجھنے نہیں دیتا۔ دوسری یہ کہ انسان کو انسان کا بیری بنائے رکھتا ہے

اور تیسری یہ کہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یعنی عمل و محنت، جد وجہد، تلاش اور ہمگاپُوم سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اہل سنت کے ہاں ہزاروں ایسی احادیث موجود ہیں۔ جن کی رو سے خالی کلمہ پڑھنا یا کسی دعا کا ورد کرنا فلاح دنیوی و اُخروی کے لیے کافی ہے عمل کی ضرورت ہی نہیں (تفصیل میری کتاب " دو اسلام" میں ملاحظہ فرمایئے)۔ اور شیعوں کے ہاں بھی ماتم حسینؑ اور حُبِّ علیؓ کو نجات کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس پر بے شمار روایات موجود ہیں۔ (تفصیل کا یہ موقع نہیں)

اہمیت عمل

اگر آپ کائنات پر ایک درس گیر نظر ڈالیں تو آپ کو ہر طرف رونق ہی رونق نظر آئے گی۔ یہ سورج یہ چاند، یہ زمین اور اس پر یہ عمارات و باغات؛ یہ بازار یہ شاہراہیں یہ ریلیں یہ کاریں، سب تخلیقات عمل ہیں۔ یہ شمس و قمر اللہ کا عمل ہیں یہ باغات و عمارات کسان و کارکن کا عمل ہے۔ یہ کروڑوں کتابیں علماء کا عمل ہیں اور خود علماء اپنے عمل کی تخلیق ہیں۔ اس جہانِ بود ونبود میں ایک بھی ایسی چیز موجود نہیں جو نتیجۂ عمل نہ ہو۔

پھر مختلف اعمال کے نتائج جدا جدا ہیں۔ کتابیں پڑھنے کا نتیجہ حصولِ علم ہے نہ کہ ترقیٔ صحت۔ ورزش کا نتیجہ صحت ہے نہ کہ رزق،

پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے نہ کہ آتش عشق، اور رونے سے جی ہلکا ہوتا ہے نہ کہ پیٹ، ہر عمل کے ساتھ ایک خاص نتیجہ بندھا ہوا ہے جن کا پیوند دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی۔ ہر ذی شعور کو معلوم ہے کہ کس عمل کا نتیجہ کیا ہے۔ روایاتی مذہب ہی ایک ایسی دنیا ہے۔ جہاں اعمال و نتائج کا ربط فہم انسان سے ورائے ہوجاتا ہے۔ یہ بات کہ صرف کلمہ پڑھنے سے زنا، سرقہ اور حرام خوری کے اثرات دور ہوجاتے ہیں اور کوئی دعا پڑھنے یا یادِ شہدا میں آنسو بہانے سے جہاں بھر کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ میری ناقص سمجھ سے بہت بالا ہے۔ اور ساری کائنات میں از ثری تا ثریا ان عقاید کی کہیں کوئی تائید نہیں مل سکتی۔ قرآن نے تمام خدائی نعمتیں، عزتیں اور بادشاہتیں صرف عمل کا انعام قرار دی ہیں:۔

وراثر

وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ (طلاق ۲/۱۲)

اللہ عنقریب تمہارے اعمال کا جائزہ لیگا

وَلِکُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (احقاف ۲/۱۹)

(ہر شخص کو اعمال کے مطابق درجے ملیں گے)

لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (نور ۵/۳۶)

(تاکہ اللہ انھیں عمدہ اعمال کا اجر دے)

اللہ نے قرآن میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا پیوند لگا دیا ہے۔ اور یہ ہے بھی ایک زبردست صداقت، کہ عمل کے بغیر کچھ بھی تو حاصل نہیں ہو سکتا۔ بن پڑھے کوئی کیسے عالم بنے۔ کمائے بغیر رزق کہاں سے آئے۔ نیکی نہ کریں تو نیک کیسے بنیں اگر ہم میں سے کسی کو رسولؐ و علیؑ کی محبت کا دعویٰ ہے تو خالی لافوں سے کام نہیں بنے گا۔ اُسے لامحالہ علیؑ کی راہوں پر چلنا ہوگا۔ بیک ضربتِ حیدری کفر کے خیبر گرانا ہوں گے۔ ائمۃ الکفر کو ایک وار سے از فرق تا کلو کاٹنا ہوگا۔ رات بھر سر بسجود رہنا ہوگا۔ دن بھر دنیا کی خدمت کرنا ہوگی۔ انبارہائے سیم و زر کو پائے استحقار سے ٹھکرانا ہوگا۔ فرشِ سنجاب کو چھوڑ کر بوتراب بننا ہوگا، حلوہ و پلاؤ پر نانِ شعیر اور خلعتِ زریں پر گلیمِ بوذرؓ کو ترجیح دینا ہوگی۔ اگر حسینؑ و علیؑ کا عظیم و مقدس کردار ہم میں موجود نہیں تو پھر ان کی محبت کا دعوائے بے سود ہے۔

مجھے اپنے واعظین سے یہ شکایت ہے کہ یہ اِدھر اُدھر کی کہانیاں تو بے شمار سناتے ہیں۔ ایک ایک دُعا پر دس دس جنتیں تقسیم کرتے ہیں ایک ایک آنسو بہانے پر سارے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ دوسروں کے کفر و فسق پر لاجواب دلائل لاتے ہیں۔ لیکن قوم کے جھوٹوں، وعدہ

شکنوں، گراں فروشوں، شراب نوشوں اور بدکاروں کو کچھ بھی نہیں کہتے۔ ان کے وعظوں میں سورۂ فاتحہ کے فضائل۔ ڈاڑھی رکھنے کا ثواب، احبار و رہبان کی زیارت کے فوائد، وضو میں ناک جھاڑنے کا اجر اور خلافتِ ابوبکرؓ و علیؑ کا قصہ تو ہوتا ہے۔ لیکن قومی اخلاق کو بلند کرنے، تہذیب و تمدّن کو ابھارنے، انسان کو انسان سے قریب لانے اور قرآن کو مشعلِ کائنات بنانے کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ ان کا سارا زور ایک دوسرے کو کافر بنانے پر صرف ہو جاتا ہے اور تمام تعمیری پہلو نظر انداز ہو جاتے ہیں۔

مقامِ غور

میرے عزیز بھائیو! کبھی آپ نے سوچا۔ کہ آپ ایک دوسرے سے کن کن رشتوں میں منسلک ہیں۔ آپ کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک، قبلہ ایک، اہلِ بیت ایک تہذیب ایک، تمدن ایک، دین ایک، مسلک ایک، سب کچھ ایک۔ خدا کے لیے مجھے سمجھایئے کہ آپ کس بات پر لڑ رہے ہیں؟ مسئلہ خلافت پر؟ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کو آج مسندِ خلافت پر بٹھایا جا سکے؟ اگر یہ ناممکن ہے تو پھر لڑائی کس بات پر؟ کیا کوئی ایسا سُنّی دنیا میں موجود ہے جو حضرت امیرؑ اور ائمہ اطہار سے انتہائی عقیدت نہ رکھتا ہو؟ تو پھر جھگڑا کیسا؟

کیا خدا اور رسول کا کوئی ایسا ارشاد موجود ہے کہ اگر حضور صلعم کے بعد حضرتِ امیر علیہ السلام کو مسندِ خلافت نہ ملی تو اے مسلمانو! تم قیامت تک ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہنا اور اسلام کو اقوامِ عالم کی نظر میں ایک مضحکہ بنائے رکھنا۔؟

ہماری "تاریخ میں اس قسم کی "ناانصافی" کے سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ مثلاً بنو حمّود سے المرابطین نے حکومت چھینی۔ بنو جہور کو امرائے عبادی نے، بنو اغلب کو بنو فاطمہ نے، بنو زیری کو موحدین نے، موحدین کو امرائے مرینی نے۔ ایوبیانِ شام کو ممالیک مصر نے اور ممالیک کو عثمانیوں نے سلطنت سے محروم کیا۔ ہم کس کس ظلم پہ آنسو بہائیں گے؛ اور اس سلسلے کو کب تک جاری رکھیں گے۔؟

اگر بالفرض خلفائے ثلاثہ نے حضرت امیرؑ سے بے انصافی کی تھی تو بہترین صورت یہ تھی کہ اس مقدمہ کو کسی ہائیکورٹ میں برائے فیصلہ پیش کیا جاتا۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ آج سے پونے چودہ سو سال پہلے یہ مقدمہ کائنات کی سب سے بڑی عدالت کے سامنے پیش ہو گیا تھا وہاں فریقین کے علاوہ، حضور صلعم بھی موجود تھے۔ فیصلہ کیا ہوا۔ ہمیں معلوم نہیں۔ کیونکہ اُس جہان کی

خبریں اس دنیا کو نہیں دی جاتیں۔ لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ پورا انصاف ہوا ہوگا۔ اور مجرم کو سزا مل چکی ہوگی۔ اس لئے ہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

مقصدِ کتاب

ذرا اپنی تاریخ کے ورق الٹیئے۔ آپ کو جگہ جگہ شیعہ اور سنّی دست بہ گریباں نظر آئیں گے بصرہ، کوفہ، بغداد، خراسان، مصر، شام، تیونس، مراکش، ہندوستان اور ایران میں ایسے ہزارہا مقامات ملیں گے۔ جو ان فرقوں کے لہو سے مدّتوں رنگین رہے۔ ان تصادمات میں تین کروڑ سے زیادہ مسلمان ہلاک ہوئے۔ ان کے تخت الٹے۔ ان کے گھر اجڑے۔ ان کے کروڑوں بچّے یتیم ہوئے۔ ان کی حماقت پر اقوامِ عالم نے زور زور سے قہقہے لگائے اور ہماری بدبختی کا تماشہ دیکھئے کہ ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ قومی امراض کا علاج انبیا، و ائمہ کے بعد، شعرا، ادبا، اور دیگر اربابِ قلم کیا کرتے ہیں۔ یہ اُن کا قومی، ملکی اور اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے افسانوں، ناولوں، مقالوں اور نظموں کے نشتر سے ملّت کے ناسوروں کو چیریں۔ لیکن اِس قوم کی بدبختی دیکھئے کہ اس کے افسانہ نگار معاشی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ شعرا تخیلی کھلونوں سے کھیل رہے ہیں۔ اخبار نویس شیعہ و سُنّی دونوں سے

مسلسل ڈر رہے ہیں کہ کہیں کوئی فرقہ مقاطعۂ اخبار کی تحریک نہ شروع کرا دے۔ واعظین اس آگ کو پیہم ہوا دے رہے ہیں۔ اور سارے پاکستان میں ایک بھی ایسا صاحب قلم نظر نہیں آتا جو وقت کے اس نہایت نازک اور اہم مسئلہ کو قابلِ توجہ سمجھے۔

میں نے جب اس کتاب کے سلسلہ میں مختلف احباب سے تبادلۂ خیالات کیا تو مختلف مشورے ملے۔ ایک نے کہا:

”آپ کچھ کریں اِن فرقوں کی ذہنیت نہیں بدل سکتی۔“

دوسرے نے لکھا:

”آپ یہ کتاب لکھ کر شیعہ و سنّی دونوں کو ناراض کریں گے۔“

ایک اور نے فرمایا:

”سنّی تو تمہیں پہلے ہی کوس رہے ہیں۔ اب شیعوں کو کیوں اپنے پیچھے ڈالتے ہو۔“

لیکن احباب کا ایک ایسا گروہ بھی تھا۔ جس کا دل میری ہی طرح ان حادثات سے زخمی تھا۔ اس نے میری ہمت بندھائی۔ اور میں سر پر شمرہ باندھ کر محاربِ فریقین کے درمیان آ گیا۔

میرا مقصد کسی فرقہ کی تردید نہیں۔ مناظرہ و مجادلہ نہیں بلکہ ہاتھ جوڑ کر صرف اتنا کہنے آیا ہوں کہ اے بھائیو! آپ کو اپنے اپنے عقائد

ومناسک مبارک۔ شوق سے جلسے کیجئے۔ حُبِّ اہل بیت کا پیغام سنائیے واقعاتِ کربلا بتائیے۔ مسجدیں الگ بنائیے۔ نمازیں الگ پڑھیئے۔ ہاتھ چھوڑ کر یا ہاتھ باندھ کر پڑھیئے۔ بیشک فقہ الگ رکھیئے۔ جو چاہیں کیجئے۔ صرف ایک بات چھوڑ دیجئے کہ کھلے جلسوں میں ایک دوسرے کا دِل نہ دُکھائیے۔

چونکہ مسئلہ خلافت فریقین میں باعثِ نزاع بنا ہوا ہے۔ اس لیئے میں نے اس مسئلہ کو تاریخی و علمی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اِس کتاب کو آپ اِس تنازعہ پر ایک مُحاکمہ یا فیصلہ تصور فرمائیں۔ میں ایک کم علم سا آدمی ہوں۔ ممکن ہے کہ میرے درج کردہ واقعات، دلائل اور نتائج غلط ہوں۔ بہرحال قارئین کرام کتاب پڑھنے کے بعد شاید اس امر سے اتفاق فرمائیں گے کہ میرا ارادہ بھائی کو بھائی سے ملانا ہے۔ اہلِ قبلہ میں صلح کرانا اور ملت و وطن کو خطرات انتشار سے بچانا تھا۔ بس۔ سُنا ہے کہ نیت کا بھی اجر ملتا ہے۔ اللہ مجھے اجر دے۔

کتاب کا ردِعمل

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد فریقین کا عالم، متین اور مُصالحت پسند طبقہ میرا ہمنوا بن جائے گا۔ جن لوگوں کی نظر سے تصویر کا دوسرا رُخ نہاں تھا وہ سوچنے

۵ لگ جائیں گے۔ اور بعض واعظین محراب و منبر سے مجھ پر برسیں گے۔ کوئی شخص اپنے اعمال کی درستی و نادرستی کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ لیکن اس دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس سے میرا اندازہ یہ ہے کہ غالباً حضور صلعم کو میری یہ حقیر سی کوشش پسند آگئی ہے۔ ہوا یوں کہ میں دوپہر کے وقت اس کتاب کا کوئی حصہ لکھ رہا تھا کہ نیند نے آلیا۔ قلم رک گیا۔ اور میں اپنی کرسی ہی پہ سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کھلے میدان میں چند چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں اور اُن کے پاس پانچ آدمی کھڑے ہیں۔ جن میں سے ایک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں میں قریب گیا تو آپ نے مجھے دیکھ کر تبسّم فرمایا۔ میں نے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ چوم لیے اور معاً آنکھ کھل گئی۔ میں اس خواب کی تعبیر یہی سمجھا ہوں کہ غالباً سرورِ کائنات کے اس فرزندِ جلیل کو میری یہ تحریر پسند آگئی ہے۔

برادرانِ ملت! اگر میری یہ کوشش صحیح اور منشائے خدا اور رسول کے عین مطابق ہے تو دعا فرمائیے کہ میری یہ پکار ہر دل کو ہلا دے۔ اور اگر غلط ہے تو میرے لیے ہدایت و راست روی کی دعا کیجئے۔

۸۸۲۲

آنچہ من در بزمِ تو آوردہ ام دانی کہ چیست
یک چمن گل، یک نیستاں نالہ، یک خمخانہ مے

برق
کیمبلپور ۳ر اگست ۱۹۵۸ء

باب اوّل

شیعہ و سُنّی کا مشترک ورثہ

شیعوں اور سنیوں میں ایک دوسرے کے متعلق عجیب غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ سنّی یہ سمجھتے ہیں کہ شیعہ قرآن کو محرّف کہتے ہیں، امیر المومنین علی علیہ السّلام کو حضور پرنور صلعم سے افضل سمجھتے ہیں۔ تین صحابہ یعنی حضرت سلمانؓ، مقدادؓ اور ابوذر غفاریؓ کے سوا باقی سب کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ان کا مشغلہ ہر دور میں تخریب ملت اور استیصال دین رہا ہے۔ اور ان کی علمی و ثقافتی خدمات صفر ہیں۔ دوسری طرف شیعہ یہ سمجھتے ہیں کہ سنّی ہر زمانے میں اہل بیت کے دشمن رہے، اُن کے حقوق چھینے اور اُن پر ہر قسم کے مظالم توڑتے رہے۔ اس میں کلام نہیں کہ سلاطین اُمیّہ نیز بعض عباسی خلفا نے خاندانِ

رسالت کے بعض ارکان سے ناروا سلوک کیا تھا۔ لیکن اس سلوک کی پوری ذمہ داری انہی سلاطین پر عائد ہوتی ہے۔ آج کا سنّی نہ تو اُن مظالم کی تائید کرتا ہے۔ اور نہ خاندانِ رسالت کے متعلق ہلکی سی سوئے ادبی برداشت کر سکتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب صلوٰۃ جمعہ کے خطبوں میں امیر المومنینؑ پر لعنت بھیجی جاتی تھی۔ لیکن وہ دور سلطنتِ اموی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ اہلِ بیت کا احترام ہمیشہ سنیوں کا جزوِ ایمان رہا ہے۔ یہاں تک کہ آلِ رسول پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ان کی نمازوں کا اہم حصّہ ہے۔ جس کے بغیر ان کی نماز ہی ادا نہیں ہوتی۔ ہر سنّی التحیات میں آلِ رسول پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے (اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ ......) اور ایک مرتبہ اُن کے لئے برکاتِ خداوندی کی دعا کرتا ہے (اللّٰھم بارِك علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ ......) اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آج روئے زمین پر ایک بھی ایسا سنّی موجود نہیں جو احترامِ اہلِ بیت کو جزو ایمان نہ سمجھتا ہو۔ رہے پہلے تین خلفاء، جن کے متعلق بعض شیعی طبقوں میں کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں تو ان کے متعلق آگے چل کر مفصّل بحث کی جائے گی۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو اختلافات کو ختم نہیں ہونے دیتا اور

اس لیے تفصیل چاہتا ہے۔

شیعوں کے متعلق سنیوں کے الزامات بھی کوئی خاص حقیقت نہیں رکھتے۔ گو بعض شیعی فرقے تحریفِ قرآن کے قائل رہے ہیں اور ان میں سے بعض فی الواقعہ حضرت علیؑ کو حضور صلعم سے افضل سمجھتے تھے۔ لیکن وہ فرقے آج سے صدیوں پہلے ختم ہو چکے ہیں۔ اس وقت صرف امامیہ شیعہ باقی رہ گئے ہیں۔ جو قرآن کو صحیح، مکمل اور ہر قسم کی تحریف سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ اور امیرالمومنین کو جانشینِ رسول اور علومِ باطنیہ کا امام و منبع مانتے ہیں، ہر قسم کی تخریب سے اِن کا دامن پاک ہے۔ اور قدحِ صحابہ کو معیوب قرار دیتے ہیں۔ گو آج بھی بعض شیعی واعظین خلفائے ثلاثہ پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے۔ اس تنقید کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری "تاریخ اور ہمارا ذخیرۂ روایات ہر قسم کے رطب و یابس سے لبریز ہے۔ ہماری احادیث میں وہ روایات بھی شامل ہیں جو اعدائے اسلام نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور دنیا کی اِس زبردست طاقت کو نیچا دکھانے کی خاطر وضع کی تھیں۔ ہمارے واعظین عموماً نیم خواندہ قرآن کے اسرار و رموز سے نا آشنا اور درایت و روایت سے

بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ایسی کوئی روایت سامنے آتی ہے تو یہ سوچے بغیر اس کی تبلیغ شروع کر دیتے ہیں اور عشرہ ہائے محرّم کے ناگوار واقعات انہی مواعظ کا نتیجہ ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اِن فرقوں میں لاتعداد اختلافات تھے۔ جن کا دامن فقہی مسائل سے قرآن، خدا اور رسول تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن بحمداللہ کہ آج وہ اختلافات باقی نہیں رہے۔ دونوں گروہ قرآن پر متحد ہو چکے ہیں اور آج ان کا اختلاف چند تاریخی واقعات تک محدود رہ گیا ہے۔ میری کوشش یہ ہے کہ یہ اختلاف بھی باقی نہ رہے۔ اور اگر ملّتِ اسلامیہ کے معقول طبقے نے اِس طرف توجہ دی تو صرف دس برس کی قلیل مدّت میں چودہ سو سال کا یہ اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔

شیعوں پر یہ الزام کہ ان کی علمی مساعی صِفر کے برابر ہیں بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اِن کے علما، حکما، فلاسفہ، مفسّرین، محدّثین، مؤرخین، اُدبا اور شعراء کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ لکھنے بیٹھوں تو شاید ایک ہزار صفحات میں بھی نہ سمائے۔ ان میں سے بیشتر وہ عظیم المرتبت لوگ ہیں۔ جن کی خدمت میں مشرق و مغرب کے رجال العلم خراجِ مدح و تحسین پیش کر چکے ہیں۔ ان علماء کے علاوہ کچھ ایسے

سلاطین ووزراء بھی ہیں جن کے کارناموں پر دونوں گروہ نازاں ہیں اور کچھ ایسے ائمہ وصحابہ بھی ہیں جن سے دونوں کو گہری عقیدت ہے۔ نا مناسب نہ ہوگا اگر یہاں چند ایسی ہستیوں کا ذکر کردیا جائے۔

صحابہ

اس میں کلام نہیں کہ بعض صحابہ کے متعلق دونوں گروہوں میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اُن اصحاب کی فہرست بھی کچھ کم طویل نہیں جن سے دونوں محبّت کرتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ قثمؓ بن عباس	حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں والیٔ مدینہ تھے عہدِ معاویہ میں وفات ہوئی۔
۲۔ فضلؓ بن عباس	غزوۂ حنین اور حجۃ الوداع میں حضور صلعم کے ہمراہ تھے۔ وفات ؁۱۸ھ
۳۔ عبداللہؓ بن جعفر الطیّار	جب حضرت جعفر الطیّار ہجرتِ اولیٰ میں حبشہ گئے تو حضرت عبداللہ وہاں پیدا ہوئے۔ وفات ؁۸۰ھ
۴۔ عقیلؓ بن ابی طالب	وفات عہدِ معاویہ میں
۵۔ عباسؓ بن ربیعہ بن حارث	امیر المومنین کے ساتھ جنگِ صفّین میں شریک تھے۔
۶۔ مُغیرہؓ بن حارث	عہدِ عثمانؓ میں قاضیٔ مدینہ تھے۔ جب ابنِ ملجم

نے امیر المومنینؓ پر وار کیا۔ تو مغیرہ نے اپنی چادر اس کے گلے میں ڈال کر زمین پر گرا دیا اور گرفتار کر لیا۔

۷۔ عبد اللہؓ بن زبیر	جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھی۔
۸۔ ابو سفیانؓ بن حارث	جنگِ حنین میں شامل ہوئے۔
۹۔ عبد المطلبؓ بن ربیعہ	عہدِ فاروقؓ تک مدینہ میں رہے، پھر دمشق چلے گئے۔ اور ۶۲ھ میں وہیں وفات پائی۔
۱۰۔ مقدادؓ بن الاسود	تمام جنگوں میں حضور صلعم کے ہمراہ تھے وفات ۳۳ھ
۱۱۔ سلمانؓ فارسی	یہ پہلے غلام تھے۔ حضورؐ نے انھیں خرید کر آزاد فرمایا۔ حضورؐ انھیں اہلِ بیت میں سے سمجھتے تھے۔ ۳۳ھ میں مدائن میں وفات پائی۔
۱۲۔ عمارؓ بن یاسر	مہاجرینِ اولین میں سے ہیں۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ جنگِ صفین میں شہادت پائی۔
۱۳۔ ابوذرؓ غفاری	کبارِ صحابہ میں سے تھے۔ پہلے تین مومنین کے بعد اسلام لائے اور غالباً عہدِ عثمانؓ میں

انتقال فرمایا۔

۱۴۔ بُریدہؓ بن الحصین الاسلمی جنگِ صِفّین میں شامل ہوئے تھے۔

۱۵۔ خالدؓ بن سعید بن امیہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت صدیقؓ سے بھی پہلے اسلام لائے تھے۔ حضورؐ نے انھیں یمن میں عاملِ صدقات مقرر فرمایا تھا۔

۱۶۔ عثمانؓ بن حنیف الانصاری مومنین اولین میں سے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انھیں والیٔ عراق اور حضرت علیؓ نے انھیں والیٔ بصرہ مقرر کیا تھا۔

۱۷۔ سہلؓ بن حنیف الانصاری تمام غزوات میں شامل رہے۔ جب حضرت علیؓ جنگِ جمل کے لیے بصرہ کو گئے تو انھیں مدینہ کا والی مقرر کر گئے۔

۱۸۔ حُکیمؓ بن جبلۃ العبدی حضرت عثمانؓ کے دور میں چند روز کے لیے ایک علاقہ کے والی مقرر ہوئے۔ اور جنگِ جمل میں شہادت پائی۔

۱۹۔ حُذیفہؓ بن الیمانی الانصاری العنسی۔ جنگِ احد میں شامل تھے۔ عہدِ علیؓ میں انتقال کیا

۲۰۔ خزیمہؓ بن ثابت الانصاری غزواتِ رسول میں شامل تھے۔ جنگِ صِفّین

میں بھی حصّہ لیا۔

یہ فہرست کافی طویل ہے۔ کم ازکم ایسے تین سو صحابہ کے نام یہاں درج کئے جا سکتے ہیں۔ جن سے دونوں گروہوں کو عقیدت ہے۔ اس موضوع پر "معیاری فرہنگ" کے مصنف سیّد علی خاں کی ایک معلومات افزا کتاب موجود ہے "الدرجاتُ الرفیعہ فی طبقات الشیعہ"۔ بہتر ہے تو مطالعہ فرمائیے۔

تابعین

۱۔ محمدؒ بن ابی بکر	اسماء بنت عمیس کے بطن سے حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے۔ وفاتِ صدیقؓ کے بعد اسماء بنتِ عمیس حضرت حیدرِ کرّار کے عقد میں آگئی تھیں۔ محمد حضرت علیؓ کے ہاں پلے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے والیٔ مصر مقرر ہوئے۔ اور معاویہ سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔
۲۔ اُویسؒ القرنی الیمنی	یہ وہی ہیں۔ جنھوں نے جنگِ اُحد میں حضور صلعم کے دانت شہید ہونے کی خبر سُن کر اپنے

	سارے دانت توڑ ڈالے تھے۔
۳۔ محمد بن ابی حُذَیفہ	حضرت امیرؑ کی طرف سے عاملِ مصر رہے
۴۔ جُعدہ بن ہبیرہ	انھیں حضرت امیرؑ نے عاملِ خراسان مقرر کیا تھا۔
۵۔ سعید بن جبیر	بلند پایہ عالم و محدّث تھے۔ ۹۵ھ میں حجّاج کے حکم سے شہید ہوئے۔
۶۔ حبیب بن مظاہر الاسدی	حافظِ قرآن تھے۔ معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے۔
۷۔ الحارث بن عبد اللہ عور الہمدانی	عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے۔ بلند پایہ فقہا میں شمار ہوتے ہیں۔ نسائی نے ان کی چند احادیث بھی نقل کی ہیں۔
۸۔ عبد اللہ بن ابی رافع	حضرت امیر علیہ السلام کے میر منشی تھے۔ آپ دو کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ایک میں حضرت علیؑ کے فیصلے (قضایا) ہیں۔ اور دوسری میں اُن بزرگوں کے حالات جنھوں نے جنگِ صِفّین و جمل میں آپ کا ساتھ دیا تھا۔
۹۔ حارث بن الرّبیع	حضرت امیرؑ کی طرف سے عاملِ مدینہ رہے

۱۰۔ زید بن وہب الجہنی	آپ حضرت امیرؑ کے اُن خطبوں کو جمع کیا کرتے تھے۔ جو آپ عیدوں اور جمعوں میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔
۱۱۔ عامر بن شرحبیل	کنیت ابو عمر، ایک عمدہ فقیہ تھے۔
۱۲۔ عامر بن عبد اللہ	عہدِ امیرؑ کے مشہور زاہدوں میں سے تھے۔
۱۳۔ عبد اللہ بن شدّاد	علامہ ذہبی انھیں ثقہ راویوں میں شمار کرتے تھے۔
۱۴۔ عمر بن دینار الکوفی	فاضل ائمہ میں شمار ہوتے ہیں
۱۵۔ منہال بن عمر الاسدی	صحیح مسلم میں ان کی بعض روایات درج ہیں
۱۶۔ اَبُوالاَسْوَد ظالم بن عمر البصری۔	انھوں نے حضرت امیرؑ کے حکم سے قوانین نحو کو جمع کیا تھا۔ بلند پایہ شاعر اور ادیب بھی تھے۔

یہ فہرست بھی بہت طویل ہے۔

علماء شیعی علماء، حکما، اُدبا اور شعراء کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے مورخین "کتاب المحاسن" کے مصنف احمد بن محمد بن خالد، اور "الیعقوبی" کے مصنف احمد بن یعقوب۔ "مروج الذہب" کے مصنف المسعودی "آداب سلطانیہ" کے مصنف محمد بن علی بن طباطبا خصوصیت سے قابل

ذکر ہیں۔

علم کلام میں قیس الناصر، محمد بن علی احوال، ہشام بن حکم، ابوجعفر سکاک بغدادی۔ ابو مالک ضحاک حضرمی اور دیگر سینکڑوں فضلاء بڑی شہرت کے مالک ہیں۔

شعراء وادباء میں عروہ بن زید الخیل، لبید بن ربیع العامری، ابُو طفیل عامر بن واثلہ، دعبل، خزاعی، ابونواس، ابو تمام، بحتری، حسین بن ضحاک، ابنِ رُومی، اشجع سلمی، ابنِ ہانی اندلسی، بدیع ہمدانی، ابن بسام بغدادی اور سینکڑوں دیگر مشاہیر شیعہ تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ثعالبی کی "یتیمۃ الدہر" اور "کتاب الاغانی"

ارباب سیاست

دنیائے سیاست میں بھی بعض شیعی افراد کے کارنامے دونوں گروہوں کے لیے سرمایۂ فخر و عزت ہیں۔ مثلاً

۱۔ اسحاق کاتب	یہ پہلے مدبر ہیں جن کے لیے سرکاری طور پر "وزیر" کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی۔
۲۔ ابوسلمیٰ خلال کوفی	پہلے عباسی خلیفہ کے وزیر تھے۔
۳۔ حسن بن سہل، فضل بن سہل	مامون کے وزراء رہے۔
۴۔ البرامکہ	ہارون کے وزراء، جن کی فیاضی و علم

پروری ضرب المثل بن چکی ہے

۵۔ حسن بن علی	مقتدر باللہ کے وزیر تھے۔
۶۔ ذوالکفایتین	رُکن الدولہ کے وزیر

ان کے علاوہ آلِ نوبخت، ابو دُلف عجلی، صاحب ابن عباد ابوالقاسم وزیر مغربی، ابراہیم صولی وغیرہ شیعہ تھے۔ یہ بلند پایہ سیاست داں اور علم وفن کے بہت بڑے مربّی تھے۔

کچھ عرصہ ہوا عراق کے ایک شیعی عالم نے دس جلدوں میں ایک کتاب شائع کی تھی۔ نام تھا "الحصون المنیعہ فی طبقات الشیعہ" اس میں تمام شیعہ علماء، حکماء، ادبا، اور اربابِ سیاست کے حالات درج ہیں۔

خود ہمارے ہاں حضرت قائد اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی موجود ہے۔ جن کے عظیم احسان کو اہلِ پاکستان کبھی نہیں بھُول سکتے۔ یہ شیعہ تھے لیکن اس قدر فراخ دل اور بلند نظر کہ اُن سے ہر مسلمان محبّت کرنے پر مجبور تھا۔ اگر تمام پاکستانیوں میں یہی وسعت نگاہ پیدا ہو جائے تو یہ جھگڑے آج ہی ختم ہو جائیں۔

تو یہ تھے وہ اساطینِ علم وفن اور رجالِ تقوےٰ وسیاست

جن کے عظیم کارنامے دونوں گروہوں کا مشترک ورثہ ہیں۔

* * *

باب دوم

القرآن الحکیم

ساری کائنات میں قرآن وہ واحد کتاب ہے جو انسانی دست بُرد سے تاحال محفوظ ہے۔ اور خدائی وعدہ کے مطابق تاقیامت محفوظ رہے گی۔ صحائف قدیمہ وجدیدہ میں کاتبین نے انبیا علیہم السلام کی سوانح حیات بھی بھر دی تھی۔ جس سے وہ کتابیں انسانی وخدائی اقوال کا ملغوبہ بن کر رہ گئیں۔ یہ امتیاز صرف قرآن کو حاصل ہے کہ اس کا ہر حرف خدائی اور یہ ہر قسم کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔

لیکن

ساتھ ہی یہ کتاب مظلوم ترین کتاب ہے کہ اس پر اعداء واحباب دونوں نے وار کئے۔ اور اسے پایۂ اعتبار سے گرانے کی ہر ممکن

کوششیں کیں۔ حاملینِ قرآن کے بڑے بڑے طبقے دو ہی ہیں۔ شیعہ اور سنّی۔ دونوں نے اس کتاب کی تحریف پہ روایات تراشیں اور انھیں اپنے مجموعہائے احادیث کا جزو بنا دیا۔ پھر اِن احادیث کی حجیّت پہ اس قدر دلائل دیے کہ احادیث ہی مدارِ ایماں بن گئیں اور قرآن طاقِ نسیاں پہ دھرا رہ گیا پہلے سنیوں کی روایاتِ تحریف ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر میں ابنِ عمر کا یہ قول درج کرتے ہیں

لا یقولنّ احدکم قد اخذتُ القرآن کلّه وما یدریه ما کلّه قد ذهب منه قرآن کثیرہ

(تفسیر اتقان طبع مطبع احمدی ص۳۱۶)

(تم میں سے کوئی شخص یہ دعوے نہیں کر سکتا۔ کہ اُس نے پورا قرآن حاصل کیا ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ پورا قرآن کتنا تھا۔ قرآن کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے)

۲۔ امام فخر الدین رازی کہتے ہیں۔

نقل فی الکتبِ القدیمةِ ان ابن مسعود کان

ینکر کون سورۃ الفاتحۃ من القرآن وکان منکر
کون المعوذتین من القرآن۔ (تفسیر کبیر طبع مصر ص۱۶۹)

(پرانی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ اور آخر دو سورتوں یعنی مُعَوَّذَتین کو قرآن کا حصہ نہیں مانتے تھے۔)

۲۔ سورۂ واللیل کی پہلی تین آیات یہ ہیں

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۔ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ۔ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى

لیکن حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ میں شام میں حضرت ابوالدرداء سے ملا تو آپ نے پوچھا کہ حضرت عبداللہ سورۂ واللیل کی تلاوت کیسے کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یوں:۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۔ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى ۝

آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلعم سے یہ آیات بالکل اسی طرح سنی ہیں۔ اور اسی طرح پڑھوں گا۔

(صحیح مسلم مع فتح الملہم۔ ج ۲۔ ص۳۶۶)

۳۔ موطا اور صحیح بخاری دونوں میں مذکور ہے کہ آیۂ رجم قرآن میں موجود تھی۔

۵۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں یہ روایت درج کی ہے

عن عائشہؓ قالت سورۃ الاحزاب تقرء فی
زمانِ النبی مِائتی اٰیۃ

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلعم کے زمانے میں سورۂ احزاب کی آیات دو سو تھیں)

لیکن آج صرف تہتر (۷۳) ہیں۔

اس قسم کی تقریباً چالیس روایات میری نظر سے گذری ہیں جن سے عیسائی مشنریوں، آریہ سماجیوں اور یہودیوں نے جی کھول کر فائدہ اٹھایا اور ہم سے یہ سوال کیا کہ جب یہ قرآن تمہاری احادیث کی رو سے مُحرّف ہے تو تم اسے ساری کائنات کے سامنے کس مُنہ سے پیش کرتے ہو اور یہ وہ سوال ہے جس کا کوئی جواب کسی سُنّی عالم سے آج تک بن نہ پڑا۔ حالانکہ اس کا جواب نہایت صاف تھا کہ احادیث میں بے اندازہ تحریف ہوئی ہے۔ اس لیے ایسی تمام روایات غلط ہیں۔

سُنیوں کے بالمقابل اس کتاب عظیم سے جو سلوک بعض شیعہ فرقوں نے کیا وہ اور زیادہ افسوسناک ہے۔ ایک دو نہیں، دس نہیں بلکہ پوری دو ہزار روایات اس موضوع پر موجود ہیں کہ یہ قرآن

ازسرتاپا غلط ہے۔ پہلے تین اصحاب کی تصنیف ہے اور اصلی قرآن
حضرت امام مہدی اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔

۱۔ اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی یہ روایت درج
ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان قرآن الذی
جاء بہ جبریل الی محمد سبعۃ عشر الف ایۃ

(باب النوادر کتاب فضل القرآن۔ جزوِ ششم ص۴۷)

(امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جو قرآن رسول اللہ صلعم پر
بوساطت جبریلؑ نازل ہوا تھا اس میں سترہ ہزار آیات تھیں)
اور موجودہ قرآن میں صرف ۶۲۳۶ آیات، ۱۱۴ سورتیں اور
۳۲۱۲۵۰ حروف ہیں۔

یہ قرآن گیا کہاں؟ اس کے متعلق!۔

" سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ کے
سامنے قرآن کے بعض حروف عام قرأت کے خلاف پڑھے۔
اور میں سن رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس قرأت کو بند کردو اور
ظہور مہدی تک ویسے ہی پڑھو جیسے عام لوگ پڑھتے ہیں جب
امام مہدی ظاہر ہوں گے تو کتاب کی قرأت الگ ہو گی۔ وہ اس

قرآن کو ظاہر کریں گے جو امیر المومنین علی علیہ السلام نے لکھا تھا۔ پھر فرمایا کہ جب حضرت امیرؑ اپنا قرآن لکھ کر لوگوں کے پاس گئے اور کہا کہ یہ ہے وہ کتاب اللہ، جو حضور صلعم پر نازل ہوئی تھی، اسے میں نے دو تختیوں سے جمع کیا ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس مکمل قرآن موجود ہے۔ ہمیں آپ کے قرآن کی ضرورت نہیں تو علی علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا کی قسم آج کے بعد تم اس قرآن کو نہیں دیکھو گے۔"

(اصول کافی ص۶۷۱)

اس کے بعد ہوا یہ کہ قرآن، حضور علیہ السلام کی زرہ، اور چند دیگر تبرکات نیز خاتم سلیمان، عصائے موسیٰ کے ہمراہ ایک صندوق میں مقفل کر دیا گیا۔ یہ صندوق بعد کے ائمہ تک منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت امام مہدیؑ اسے ہمراہ لے گئے۔

اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت امیر المومنین نے چند آدمیوں کے انکار سے مشتعل ہو کر ساری کائنات انسانی کو ان گنت صدیوں تک کتاب ہدایت سے محروم کر دیا۔ کہیں اسلام باقی نہ رہا اور نہ کوئی ایسا میزان جس سے ہم اپنے اعمال کے نیک و بد ہونے کا کوئی فیصلہ کر سکیں۔ اگر

فی الواقعہ یہ روایات صحیح ہیں تو پھر تاریخِ انسانی کا یہ پہلا حادثہ ہے کہ ایک رسول کی رحلت کے معاً بعد اُس کی الہامی کتاب اُس کے اہلِ بیت نے غائب کردی۔ اور دنیا کے کروڑوں بلکہ اربوں انسانوں کو اُن کے قصور کے بغیر سرچشمہ فلاح وہدایت سے محروم کردیا۔ اِس صورت میں کیا حضرت امیرالمومنینؑ اور بعد کے ائمہ پر (معاذاللہ) کتمانِ وحی کا الزام عاید نہیں ہوتا؟ ظاہر ہے کہ اللہ نے قرآن نسلِ انسانی کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا، نہ کہ غائب کرنے کے لیے۔

علاوہ ازیں رحلتِ رسولؐ کے وقت سارا عرب حلقہ بگوشِ اسلام ہوچکا تھا۔ اور آخری حج میں صرف حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی اور بقول ملا باقر مجلسی کل صحابہ کی تعداد چار لاکھ تھی۔ (تذکرۃ الائمہ) اگر خلفائے ثلاثہ نے کوئی نیا قرآن لکھ لیا تھا۔ یا امیرالمومنینؑ نے اصلی قرآن غائب کردیا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لاکھوں مسلمانوں نے ان چار ہستیوں کے خلاف کون سا قدم اٹھایا۔ عقلاً یہ ناقابلِ تسلیم ہے کہ حضور صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ سب کے سب مرتد ہوگئے ہوں۔ کیا سرورِ کائنات، صاحبِ لولاک، ختم الرسل اور ناجیٔ ابنِ آدم کی تعلیم وکردارِ عظیم کا اثر اِس

قدر ناقص تھا کہ ایک پشت تک بھی دوام حاصل نہ کر سکا؟ اگر حضور صلعم کا مشن حقیقتاً ناکام ہو گیا تھا۔ تو آج چودہ سو برس بعد ہم انھیں دیگر اقوام کے سامنے کس منہ سے پیش کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسلام کی خاطر وطن چھوڑا، سب کچھ اللہ کی راہ میں دے دیا، حضورؐ کے ساتھ اور حضورؐ کے بعد بیسیوں لڑائیوں میں شامل ہوئے دور دراز ممالک تک اسلام پھیلایا۔ زندگی بھر کھدر کا لباس پہنا ستو کھاتے اور فرشِ خاک پر سوئے۔ کیا یہ لوگ اس قدر ضعیف الایمان تھے کہ سارے کے سارے بے وجہ اسلام چھوڑ گئے۔ اس لیئے فروع کافی کی یہ حدیث کہ

> کان الناس اهل ردةٍ بعد النبی صلعم الاّ
> ثلثة المقداد بن الاسود و ابوذر الغفاری و
> سلمان الفارسی۔ (فروع کافی۔ ج ۳ ص ۱۱۵)
>
> (رحلتِ رسول کے بعد مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان
> فارسی کے سوائے باقی تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے)

صحیح معلوم نہیں ہوتی بلکہ صحیح روایات یہ ہیں۔

۱۔ "سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ معاویہ سے لڑنے کے لیے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ نوّے

ہزار سپاہی تھے جن میں آٹھ سو انصار اور نو سو بیعتِ رضوان والے صحابہ شامل تھے۔

(مواقفُ المومنین ترجمہ مجالس المومنین۔
از علامہ نور اللہ شوستری۔ ص۱۵۷)

ظاہر ہے کہ یہ سترہ سو صحابہ غیر متزلزل ایمان کے مالک ہوں گے ورنہ معاویہ کا ساتھ دیتے۔

۲۔ باقر مجلسی لکھتے ہیں۔

”بنو حنیف ایک بدوی قبیلہ تھا جو حضور صلعم کی حیاتِ مقدسہ میں اسلام لایا تھا۔ اِس کا رئیس مالك بن نویرہ تھا جو بڑا بہادر اور شاہی جلال کا مالک تھا۔ حضور صلعم کی صحبت کا شرف حاصل کر چکا تھا۔ اور یہ سب کے سب محبانِ اہلِ بیت میں سے تھے۔“ (مجالس المومنین ص۵۲)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۱ (طبع تہران) پر لکھا ہے کہ سعد بن عبادہؓ جو قبیلۂ خزرج کا سردار اور اہم انصار میں سے تھا اپنے تمام قبیلے سمیت اہلِ بیت سے عشق رکھتا تھا۔

یہی عالم لکھتے ہیں۔

”ابن بابویہ نے حضرت صادق سے بہ سندِ صحیح روایت کی ہے

کہ اصحاب رسول بارہ ہزار تھے۔ آٹھ ہزار مدینہ میں رہتے تھے
دو ہزار مکہ میں اور باقی دو ہزار آزاد کردہ غلام تھے..... یہ
لوگ شب و روز رو رو کر دعا کیا کرتے تھے کہ اے رب!
شہادتِ حسینؓ کی خبر سننے سے پہلے ہی ہماری روح قبض
فرما لے۔" (ترجمہ)

(مجالس المومنین طبع تہران ص۱۱۸)

سوال یہ ہے کہ جب (وضعی روایات کے مطابق) امیر المومنینؑ اصلی قرآن کو غائب کر رہے تھے اور خلفائے ثلاثہ قرآن کو بگاڑ رہے تھے تو یہ بارہ ہزار محبانِ اہل بیت کیا کر رہے تھے۔ یہ امکان کہ یہ سارے صحابہ حکومت کے ڈر سے دبک گئے تھے درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جب حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں معاملات بگڑنے لگے۔ بعض عاملین عیش و عشرت کی طرف مائل ہو گئے اور عہدِ رسول کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تو انہی مسلمانوں نے خلیفہ کو شہید کر ڈالا تھا۔ ان مسلمانوں کا ایمان رحلت حضورؐ کے وقت لازماً زیادہ تابدار ہوگا۔ اس لیے یہ تصور ہی میں نہیں آسکتا کہ چند آدمی قرآن میں تحریف کرتے رہے۔ اور یہ تمام صحابہ تماشہ دیکھتے رہے

حضرت عبداللہؓ بن عباس ایک بلند پایہ صحابی تھے۔ اور حضورؐ

کے عم زاد بھائی بھی۔ آپ نے قرآن کی ایک تفسیر لکھی تھی جو آج بھی ہر بڑی لائبریری میں موجود ہے۔ یہ تفسیر اسی قرآن کی ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اگر یہ قرآن غلط ہوتا تو وہ کبھی اس کی تفسیر نہ لکھتے۔ اگر لکھتے بھی تو خلفائے ثلاثہ کی تحریف کردہ آیات کی یقیناً تصحیح کر دیتے۔ بعض ائمہ اہل بیت نے بھی تفسیریں لکھی تھیں جن میں سے حضرت امام حسن عسکری کی تفسیر آج بھی موجود ہے۔ اور وہ اسی قرآن کی ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ پانچ برس تک مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ وہ نماز خود پڑھاتے تھے۔ اُن نمازوں میں یہی قرآن پڑھتے تھے۔ اور آپ نے اسی قرآن کی تدریس و تبلیغ کا انتظام فرمایا تھا۔ یہ امر ناقابلِ تصور ہے کہ اپنے دورِ خلافت میں وہ غلط قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ اللہ کے بندے اللہ کی خاطر جیتے اور مرتے ہیں سچائی پر حرف آجائے۔ ناموسِ رسولؐ خطرے میں پڑ جائے، یا کوئی یزید مسندِ مصطفوی پر براجمان ہو جائے تو پھر یہ پروانہ ہائے اُلوہیت کسی قوت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ فکرِ سود و زیاں سے بلند ہو کر دیوانہ وار موت کی ندی میں کود پڑتے ہیں۔ اصول، ایمان اور سچائی کی خاطر تو معمولی آدمی بھی بڑی بڑی قربانیاں

کر گزرتے ہیں۔ رہنمائے کشمیر شیخ عبد اللہ کو دیکھئے کہ آزادیٔ کشمیر کے لیے پچھلے چالیس برس سے قید و بند کے مصائب برداشت کر رہا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب احمدیت کے خلاف طوفان اٹھا تو سینکڑوں حق پرستوں نے جانیں کٹا دیں۔ ہر قوم کی تاریخ ایسی قربانیوں سے لبریز ہے تو پھر میں یہ کیسے تسلیم کر لوں کہ امیر المومنینؑ کسی خطرے کی بنا پر اپنے دورِ خلافت میں اصلی قرآن کو ظاہر کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اگر امیر المومنین کا عہدِ خلافت درمیان میں نہ ہوتا تو شاید ہمیں قرآن کی صحت پر پورا یقین نہ آتا۔ لیکن جو قرآن کہ امیر المومنینؑ کے ہاتھ میں پانچ برس تک رہا۔ انھوں نے علی الاعلان پڑھا اور پڑھایا ہو۔ اس کی کتابت و حفظ کا انتظام کیا ہو۔ ایسے قرآن کی صحت پہ کیسے شبہ ہو سکتا ہے؟

نظریۂ تحریفِ قرآن کا موجد

امامیہ اور اہل سنت ہر دو کا خیال ہے کہ اس خوفناک عقیدہ کا موجد عبد اللہ بن سبا تھا۔ طبری اور روضۃ الاحباب میں درج ہے کہ یہ شخص یمن کا ایک متعصب یہودی تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اسلامی سلطنت میں یہودی ہر طرف رسوا و بے وقار

ہو گئے ہیں۔ ان کا سیاسی اقتدار ختم کر دیا گیا ہے۔ مختلف جنگوں میں ان کے ہزارہا افراد غلام بنا لیے گئے ہیں۔ ان کے بیسیوں باغات اور بستیاں مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئیں۔ اور انھیں جزیرہ نمائے عرب سے دھکیل کر باہر کیا جا رہا ہے۔ تو اس نے مسلمانوں سے انتقام لینے کی ٹھانی۔ تھا نہایت ذہین اور حیلہ باز، اچھا خاصہ علم رکھتا تھا۔ اغوار و اضلال۔ کے تمام طریقوں سے واقف تھا۔ اور پروپیگنڈہ کے فن میں ماہر تھا۔ اس نے سوچا کہ مسلمانوں کو رسوا و ذلیل کرنے اور ان کا اقتدار ختم کرنے کے لیے دو ہی راستے ہیں۔ اول کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف ملک میں مایوسی پائی جاتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی جائے دوم ان کی قوت، ہیبت اور مرکزیت کا سرچشمہ قرآن ہے۔ اسے درجۂ اعتبار و ایمان سے گرا دیا جائے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ ۳۵ھ میں مسلمان ہو گیا۔ اور دونوں محاذوں پر فوراً کام شروع کر دیا۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک فہرست تیار کی کہ وہ کنبہ نواز، کاہل، انتظامی قابلیت سے عاری اور رسول کی سنت کو مٹانے والے ہیں۔ نیز خلافت امیر المومنینؑ کا حق تھا اور بستی بستی پھر کر ان باتوں کا اس قدر چرچا کیا کہ آٹھ دس ماہ کی قلیل مدت میں کوفہ و بصرہ تک آگ بھڑک اٹھی اور بالآخر حضرت عثمانؓ کو لوگوں نے شہید کر ڈالا۔

ص۔ جب عبداللہ بن سبا حضرت علی کے حق میں اور حضرت عثمان کی مخا
میں زہریلا پراپیگنڈہ کر رہا تھا جس سے اسلام کی مرکزیت کو دھچکا
[illegible]

اب امیر المومنین کا زمانہ خلافت آیا۔ چونکہ آپ مسندِ خلافت پہ بیٹھتے ہی سیاسی مشکلات میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اس لیے عبداللہ بن سبا کو کھُل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ یہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہو گیا اور لگا تحریفِ قرآن۔ اور قدحِ صحابہ پہ احادیث تراشنے۔ ان مسائل پہ اتنی احادیث گھڑیں کہ لوگوں میں صحابہ کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی اور قرآن سے بدظن ہو گئے۔ چونکہ بے حد چالباز اور مکّار واقع ہوا تھا۔ اس لیے اس نے حُبِّ اہلبیت کو آڑ بنا لیا۔ ہر مسلمان کو ہر دور میں رسول اور خاندانِ رسول سے بے پناہ عقیدت رہی ہے۔ جب یہ فضائل اہلِ بیت بیان کرتا۔ اُن کے تقوے۔ روحانی مدارج، معصومیت اور دیگر فضائل، کہ وہ عالم الغیب تھے۔ مقصدِ کائنات تھے، ہر رسول نے ہر دور میں پنجتن کو بشارت دی تھی۔ علیؓ رسولؐ سے افضل بلکہ عینِ خدا تھے۔ پر احادیث سناتا تو لوگ جھُوم جھُوم جاتے۔ رفتہ رفتہ حُبِّ اہل بیت کا صرف عقیدہ ہی مدارِ نجات بن گیا۔ اور بعض مسلمانوں نے اصحابِ ثلاثہ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آخر یہ خبر حضرت امیر علیہ السّلام تک پہونچی۔ تو کیا ہوا؟ امام مویّد باللہ یحییٰ بن حمزہ زیدی اپنی تصنیف اطواق الحمامہ فی مباحث الامامیہ میں اس قصّہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

عن سويد بن غفلة انه قال مررت بقومٍ
ينتقصون ابا بكرٍ وعمرُ فاخبرت عليًّا وقلتُ
لولا انهم يرون انّك تضمر ما اعلنوا ما اجترؤا
علىٰ ذٰلك منهم عبد الله وكان اوّلُ ما اظهر
ذٰلك۔ فقال عليٌّ اعوذ بالله رحمهما الله۔ ثمّ
نهض فاخذ بيدى وادخلنى المسجد فصعد
المنبر ثمّ قبض علىٰ لحيته وهى بيضاء فجعلت
دُموعُه تتحادرُ على لحيته وجعل ينظر للبقاع
حتى اجتمع الناس ثم خطب فقال ما بالُ اقوامٍ
يذكرون اخوى رسول الله صلعم ووزيريه
وصاحبيه وسيّدى قريش وابوى المسلمين و
انا برئ مما يذكرون وعليه معاقب صحبا رسول
الله صلعم بالحبّ والوفاء والجدّ فى امر الله
يامران وينهيان ويقضيان ويعاقبان لايرى رسول
الله صلعم كرايهما رايًا ...... فقبض وهو عنهما
راض والمسلمون راضون فما تجاوزا فى امرها
وسيرتها رأى رسول الله صلعم وامره فى حياته

وبعد موته فقبضا على ذالك رحمهما الله ......

ثم ارسل الى ابن سبا فسيرة الى المدائن

وقال لا تساكني في بلدة ابداً۔

سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے پاس سے گذرا جو ابوبکر وعمر کو بُرا کہہ رہی تھی۔ میں نے حضرت امیر علیہ السلام کو اطلاع دی اور ساتھ ہی کہا کہ اگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ ہوتا کہ درپردہ آپ بھی ابوبکر وعمر کو بُرا سمجھتے ہیں تو انھیں کبھی یہ جرأت نہ پڑتی۔ اس سب وشتم کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا ہے۔ اسی نے پہل کی ہے یہ سُن کر حضرت امیرؑ نے فرمایا۔ پناہ بخدا۔ اللہ ان دونوں بزرگوں پر رحمت بھیجے۔ پھر چل پڑے۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مسجد میں پہنچے۔ منبر پر چڑھ گئے۔ اپنی سفید ڈاڑھی کو ہاتھ میں پکڑا۔ پھر آپ کے آنسو رواں ہو گئے۔ اور ڈاڑھی بھیگ گئی۔ سامنے مکانات کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہاں لوگ جمع ہو گئے۔ پھر یوں خطاب فرمایا:۔

اُن لوگوں کا انجام کیا ہوگا، جو رسولؐ کے دو بھائیوں، دو وزیروں، دو دوستوں، قریش کے دو سرداروں اور مسلمانوں کے دو باپوں کو بُرا کہتے ہیں۔ میں ان کی اِس حرکت سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اس پر گرفت بھی کروں گا۔ یہ دونوں بزرگ

خلوص دوفا کے ساتھ اسلام کی ترقی کے لیے رسول اللہ صلعم کے ہمراہ رہے۔ یہ نیکی کا حکم دیتے۔ برائی سے روکتے، فیصلے کرتے اور مجرموں کو سزا دیتے تھے۔ حضورؐ ان کی رائے کو بہت پسند کرتے اور ان سے بہت محبت فرماتے تھے ...... حضورؐ کی رحلت اس حالت میں ہوئی۔ کہ آپ ان سے راضی تھے اور دیگر مسلمان بھی راضی تھے۔ ان بزرگوں نے حضورؐ کی حیات میں اور بعد از موت بھی اپنے حکومت و سیرت میں حضورؐ کی ہی اقتدار کی اور اسی حالت پہ ان کی وفات ہوئی۔ اللہ ان پر رحمت کرے......

اس کے بعد حضرت امیرؓ نے ابن سبا کو بلایا۔ اسے مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا اور فرمایا کہ آئندہ تم کسی بستی میں میرے ساتھ نہیں رہ سکتے)

جنگ جمل

یہاں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ جنگ جمل کی ذمہ داری بھی اسی ذات شریف پر عائد ہوتی ہے۔ قرطبی صاحب "السیف المسلول" اور دیگر مورخین نے اس کہانی کو یوں بیان کیا ہے کہ شہادت عثمانؓ کے بعد چند روز تک مدینہ پر بلوائی قابض رہے۔ اس صورت حال سے گھبرا کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ مکہ کو روانہ ہو گئے۔ وہاں حج کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ پہلے ہی موجود

تھیں۔ طلحہؓ و زبیرؓ نے انھیں شہادتِ عثمانؓ اور مدینہ کے مخدوش حالات کی اطلاع دی۔ حضرت عائشہؓ کو بڑا صدمہ ہوا اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ بلوائیوں کی ایک خاصی تعداد کوفہ سے بصرہ آئی تھی تو اُن کی سرکوبی کے لیے بصرہ کی طرف چل دیں۔ جہاں جہاں سے گذرتیں، تو مختلف قبائل کے لوگ آپ کی فوج میں شامل ہوتے جاتے۔ دوسری طرف عبداللہ بن سبا (جو ایسے مواقع کی تاک میں تھا) اور اُس کے ساتھیوں نے حضرت امیرؑ کو کہا کہ حضرت عائشہؓ کا مقصد آپ سے مسندِ خلافت چھیننا ہے۔ اِس لیے اُن سے لڑنا ضروری ہے حضرت امام حسنؑ، امام حسینؑ، عبداللہ بن جعفرؓ اور ابنِ عباسؓ نے تصادم سے بچنے کا مشورہ دیا اور یہ مشورہ صحیح تھا۔ کیونکہ اگر حضرت عائشہؓ کا مقصد حضرت امیرؑ سے لڑنا ہوتا تو اُس وقت حضرت امیر علیہ السلام مدینہ میں تھے تو وہ مدینہ پر حملہ کرتیں یا دمشق میں معاویہؓ کے پاس چلی جاتیں۔ مکّہ سے دمشق قریب تھا اور بصرہ کافی دُور۔ لیکن آپ کو یہ مشورہ مسترد کرنا پڑا۔ کیونکہ آپ کی فوج میں اکثر ایسے سرکش اور مُنہ زور لوگ بھرے ہوئے تھے جو فوج پہ یہاں تک چھائے ہوئے تھے کہ جب آپ پوچھتے کہ تم میں عثمانؓ کے قاتل کون ہیں تو سب کے سب کھڑے ہوکر اور تلواروں کو ہوا میں لہرا لہرا کر کہتے کہ ہم سب

ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے صحابہ کی ایک جماعت نے کہا

لو عاقبت قوماً ممن اجلب علیٰ عثمان۔ فقال علیہ السلام یا اخوتاہ انی لست اجهل ما تعلمون۔ ولکن کیف لی بقوۃٍ والقومُ المجلبون علیٰ حدِّ شوکتهم یملکوننا ولا نملکهم وهٰؤلاءِ قد ثارت معهم عبدا لکم والتفت الیهم اعرابکم وهم خلالکم یسُومُونکم ما شاؤا وهل ترون موضعاً لقدرۃٍ علیٰ شیءٍ تریدُونه

(نہج البلاغہ ج دوم۔ مرتبہ رئیس احمد جعفری
طبع کتاب منزل لاہور۔ ص ۱۱۲)

(کاش آپ اُن لوگوں کو سزا دیتے جنہوں نے عثمانؓ پر چڑھائی کی تھی تاکہ معاویہ کا عذر ختم ہو جاتا) تو حضرت امیرؑ نے فرمایا۔ بھائیو! میں اس معاملہ کی نزاکت سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن قاتلین کو سزا دینے کی طاقت کہاں سے لاؤں۔ یہ قاتل زبردست شوکت کے مالک ہیں اور ہمارے قابو سے باہر ہیں۔ الٹا یہ ہم پر مسلط ہیں۔ ان کے ساتھ تمہارے غلام اور بادیہ نشین بھی شامل ہیں۔ یہ سب تمہارے مابین موجود ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں تم سے کرا لیتے ہیں یا جتنا آزار چاہیں تمہیں پہنچا سکتے

ہیں) کیا اُن سے انتقام لینے کی تم میں ہمّت ہے؟)

یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے حضرت امیر علیہ السّلام کو بصرہ جانے پر مجبور کیا چونکہ یہ سب کے سب عبداللہ بن سبا کی تبلیغ سے متاثر ہو چکے تھے۔ اس لیے اس مہم سے ان کے مقصد دو گونہ تھے۔ اول انتشار و افتراق سے اسلامی قوت کو توڑنا اور مسلمانوں کو باہم لڑانا۔ دوم اپنا بچاؤ۔ انھیں یقین تھا کہ اگر معاویہؓ یا حضرت عائشہؓ کا بس چل گیا، تو وہ قاتلینِ عثمانؓ کو جن کی تعداد بروایتے ایک ہزار سے زیادہ تھی کبھی معاف نہیں کریں گے اس لیے حضرت عائشہؓ کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا۔ جب حضرت امیرؑ کی فوج بصرہ کے قریب پہونچی تو آپ نے اپنے ایک قابل مشیر یعنی جناب قعقاع کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں فقط اصلاح چاہتی ہوں اور لڑنا نہیں چاہتی۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے کہا کہ اس وقت اصلاح کی صورت ایک ہی نظر آتی ہے کہ قاتلینِ عثمانؓ کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ قعقاع نے کہا کہ یہ مقصد اُسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر اُن کی قوت کو بڑھائیں تاکہ وہ مجرموں کو سزا دے سکیں۔ حضرت عائشہؓ و طلحہؓ اور زبیرؓ نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور جناب قعقاع خوشی خوشی رخصت ہوئے بعض تفاصیل کو طے کرنے کے لیے سلسلۂ نامہ و پیام دو دن اور جاری رہا

[redacted]

آخر تیسری شام کو طے پایا کہ اگلی صبح حضرت امیرؑ اور طلحہؓ و زبیرؓ میں ملاقات ہو گی۔ یہ خبر قاتلینِ عثمانؓ کے لیے قاتل تھی۔ انھوں نے رات کو عبداللہ بن سبا سے مشورہ کیا کہ صبح کی صلح کو روکنے کے لیے کیا قدم اٹھایا جائے۔ اُس نے مشورہ دیا کہ آدھی رات کو حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کر دو۔ اور شور مچا دیا جائے کہ حضرت عائشہؓ نے غداری کر کے شب خون مارا ہے۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ جنگ چھڑ گئی اور تیرہ ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ حضرت امیرؑ کو جلد ہی اس سازش کا علم ہو گیا۔ چنانچہ لڑائی بند کر دی گئی۔ آپ اُمّ المومنینؓ کو اپنے گھر لے گئے۔ پھر پورے احترام اور ساز و سامان کے ساتھ رخصت کیا۔ تمام بچوں کے ساتھ کئی میل تک مشایعت کی۔ اور اپنے پالک بیٹے یعنی محمد بن ابی بکر کو مدینہ تک ساتھ بھیجا۔

یہ تھی ابتدا مسلمانوں کی باہم آویزی کی۔ گذشتہ چودہ صدیوں میں ان دو گروہوں نے کیا کچھ کیا۔ ان خونچکاں واقعات کی تفصیل تاریخ میں ملاحظہ کیجیے۔

ان سیاسی دھماکوں کے علاوہ ملّتِ اسلامیہ کو دوسرا نقصان یہ پہنچا کہ بہت سے عقائدِ فاسدہ رائج ہو گئے۔ قرآن کو بے اعتبار کر دیا گیا۔ سرورِ کائنات کو بحیثیت مُصلح ناکام قرار دے کر اُن کی توہین کی گئی۔ اور دونوں گروہوں نے ایسی تواریخ لکھیں جن میں تصادم ہی تصادم ہے۔ اور ایک

طالب حقیقت کا کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا سکندر کا چشمۂ حیواں تک رسائی حاصل کرنا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ابن سبا کی فتنہ پردازی سے حضرت امیر علیہ السلام کی فوج چار فرقوں میں بٹ گئی۔

۱۔ غُلّات	جو علی علیہ السلام کو خدا مانتے تھے۔
۲۔ سبّیہ	جو پانچ چھ صحابہ کو چھوڑ کر باقی سب کو ظالم۔ غاصب اور مرتد جانتے تھے۔
۳۔ تفضیلیہ	یہ لوگ بڑے معقول قسم کے آدمی تھے کسی کو بُرا بھلا کہنا بد اخلاقی سمجھتے تھے۔ تمام صحابہ کی فضیلت کے قائل تھے۔ فرق یہ کہ حضرت امیرؑ کو باقی سب سے افضل جانتے تھے۔ ہمارے ہاں اُردو کے مشہور شاعر غالب، حکیم مشرق علامہ اقبالؒ اور جسٹس سید امیر علیؒ اسی مکتب سے تعلق رکھتے تھے۔
۴۔ شیعۂ علی۔	یہ گروہ قرآن کا پابند، اسوۂ رسول کا پیرو۔ تمام صحابۂ رسول اور خاندانِ رسالت سے محبت کرنے والا تھا یہی گروہ بعد میں امامیہ کہلایا۔ اور عصرِ حاضر کے شیعہ عموماً امامیہ ہیں۔

دیگر فرقے

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے پہلی تین صدیاں صرف فرقے بنانے، نئے نئے عقائد رائج کرنے اور جھوٹی احادیث گھڑنے کے لیے وقف کر رکھی تھیں چنانچہ اس دور میں اس قدر فرقے عالم وجود میں آئے کہ ان کے مفصل حالات شاید پچاس جلدوں میں بھی نہ سما سکیں۔ سنیوں میں اشاعرہ، معتزلہ مزداریہ، حائطیہ، جبائیہ، معطلہ، مُرجیہ، ثوبانیہ، ضراریہ، اور سینکڑوں دیگر فرقے پیدا ہوئے۔ یہی حال شیعوں کا تھا۔ ان کے چند فرقوں کے نام یہ ہیں

۱۔ سبائیہ	عبداللہ بن سبا کے پیرو۔ جن کا عقیدہ یہ تھا کہ اِنّ علیاً ھو اللہُ حقاً کہ حضرت علی خدا ہیں۔
۲۔ مفضّلیہ	مفضّل صیرفی کے پیرو۔ جو علیؓ کو نصاریٰ کے مسیح کی طرح ابن اللہ سمجھتے تھے اور ختمِ رسالت کے منکر تھے۔
۳۔ سرلغیہ	ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ نے پانچ اشخاص میں حلول فرمایا۔ حضورؐ۔ علیؓ۔ عباسؓ۔ جعفرؓ اور عقیلؓ۔
۴۔ بزیغیہ	بزیغ بن یونس کے پیرو۔ اور امام جعفر صادقؓ کی الوہیت کے قائل۔

۵۔ مغیریہ	پیروانِ مغیرہ بن سعید عجلی۔ تجسیم خدا کے قائل تھے۔
٦۔ بیانیہ	پیروانِ بیان بن سمعان ہندی۔ حضرت علیؓ میں حلو خدا کے قائل تھے۔
۷۔ منصوریہ	پیروانِ ابومنصور عجلی۔ قِدمِ عالم کے قائل ختمِ رسال اور بہشت و دوزخ کے منکر۔ اور امام باقرؓ کے بعد اپنے مُرشد کو امام سمجھتے تھے۔
۸۔ امویّہ	کہتے تھے۔ کہ حضرتِ امیرؑ رسالت میں شریکِ رسول تھے۔
۹۔ تفویضیہ	ان کا خیال تھا کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اس کا انتظام حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا تھا۔
۱۰۔ خطابیہ۔	پیروانِ ابوالخطاب محمد بن ربیب الاخداع الاسدی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ خدائے اکبر، امام جعفر صادق خدائے اصغر اور باقی ائمہ خدا کے بیٹے تھے۔
۱۱۔ معمریہ	پیروانِ معمر، جو امام جعفر اور معمر ہر دو کو نبی سمجھتے تھے
۱۲۔ غرابیہ	کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا نے حضرت علیؓ کو نبی بنایا تھا مگر جبریلؑ کی غلطی سے وحی محمد (صلعم) کو مل گئی۔ چنانچہ

فرقہ جبرئیلؑ پر لعنت بھیجنا جزوِ ایمان سمجھتا تھا۔

۱۔ ذبابیہ	یہ فرقہ رسول اللہ صلعم کو صرف نبی اور حضرت علیؓ کو خدا سمجھتا تھا۔
۱۔ ذمّیہ	ان کا اعتقاد یہ تھا کہ علی خدا ہے۔ اس نے محمد صلعم کو یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ لوگوں کو میری اطاعت کی طرف بُلانا لیکن محمد صلعم نے اپنی اطاعت کی دعوت دینا شروع کردی۔ چنانچہ یہ لوگ حضور صلعم کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔
۔ خمسیہ	یہ پنجتن کو خدا کہتے ہیں۔
۔ اسحاقیہ	ان کا خیال یہ تھا کہ زمین کبھی نبی سے خالی نہیں رہتی
۔ غلیائیہ	غلبار بن ارداع اسدی کے پیرو، جو کہتے تھے کہ حضور صلعم پر علی کی اطاعت فرض تھی۔
۔ جریریہ	تمام اصحاب رسول کو اچھا کہتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ کو خارج از اسلام سمجھتے تھے۔
۱۔ نفسیہ	یہ فرقہ نفسِ زکیہ یعنی محمد بن عبداللہ کو حی و قیوم سمجھتا تھا۔
۱۔ باقریہ	امام باقرؒ کو زندۂ جاوید مانتا تھا۔

انی صفحہ ۲۲، ۳ – ۸

تاریخ میں ایسے بہتر فرقے درج ہیں۔ ان فرقوں نے اپنے عقائد کی تائید میں بے شمار احادیث تراشیں۔ نام معتبر راویوں کے جڑ دیے اور یہ روایات معتبر مجموعوں میں پہنچ گئیں۔ یہ حادثہ اہل سنت کو بھی پیش آیا تھا۔ اُن کے بعض فرقوں نے بھی اتنی روایات گھڑیں کہ ان کی تعداد چودہ لاکھ تک پہنچ گئی۔ امام بخاریؒ کے سامنے چھ لاکھ احادیث تھیں۔ ان میں سے آپ نے چھ ہزار منتخب کیں۔ مسلم نے بارہ لاکھ میں سے تقریباً آٹھ ہزار پسند کیں۔ گو ان بزرگوں نے اپنی طرف سے صحیح و غلط کو الگ کرنے کے لیے انتہائی کوشش کی لیکن پھر بھی ان کے مجموعوں میں ایسی احادیث آگئی ہیں جن میں سے بعض [redacted] قرآن کی قطعیت پہ حملہ کرتی تھیں۔ بعض حضورؐ اور ازواجِ حضورؐ کا احترام گھٹاتی ہیں۔ کچھ حقائق کونیہ و تاریخیہ کو جھٹلاتی ہیں۔ اور چند ایک صرف کلمہ پڑھ لینے پہ جنت کی راہداری عطا کرتی ہیں۔ اور یہی حال احادیثِ امامیہ کا بھی ہوا۔

اب صورتِ حال بہتر ہے

وہ تمام فرقے رفتہ رفتہ مٹ گئے اُن کے عقائد ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن ابھی احادیث کی وہ کتابیں باقی ہیں جن سے اُن کے عقائد کی تائید ہوتی ہے۔ آج اس زمانے میں کہ علومِ جدیدہ نے غور و فکر کی نئی راہیں کھول

دی ہیں۔ فکرِ انسانی انتشار اور تفریق سے گھبرا کر اتحادِ آدم کا خواب دیکھ رہی ہے۔ اور قرآنِ عظیم آگے بڑھ کر کائناتِ انسانی کی قیادت سنبھالنے کو ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جمع قرآن پر تاریخ کی روشنی میں کچھ عرض کیا جائے۔

جمع قرآن کی تاریخ

تاریخ ادبِ عربی کا ہر طالب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ عہدِ رسولؐ کے عرب غیر معمولی قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ اُس دور میں ہزارہا شعراء موجود تھے جنھیں نہ صرف اپنا کلام یاد ہوتا تھا۔ بلکہ اپنے قبیلہ کے گذشتہ شعراء کے ہزارہا اشعار انھیں ازبر ہوتے تھے۔ پھر وہاں راویوں کا ایک سلسلہ بھی تھا۔ احادیث کے راوی نہیں بلکہ اشعار و انساب کے راوی۔ ہر بڑے شاعر کے ساتھ ایک راوی ہوتا تھا جو نہ صرف اس شاعر کا کلام یاد رکھتا تھا بلکہ اُن واقعات کو بھی اَزبر کر لیتا تھا جن سے وہ اشعار متعلق ہوتے تھے۔ گو ظہورِ اسلام کے بعد عربوں کی دلچسپی شعر و شاعری سے کم ہو گئی تھی۔ لیکن قبائل میں راویوں کا سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا۔ پروفیسر نکلسن "تاریخ ادب عربی" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک قسم کا ایک راوی حمّاد نامی دورِ امیّہ کے گیارہویں فرمانروا ولید ثانی بن یزید ثانی کے دربار میں گیا۔ شعرائے جاہلیت کا قصّہ چل پڑا تو کہنے لگا کہ حروف ابجد اٹھائیس ہیں۔ بعض قصائد کے قوافی الف

پہ ختم ہوتے ہیں۔ بعض با پر۔ وقس علیٰ ہذا۔ مجھے ہر قافیہ کے سو سو قصائد یاد ہیں۔ جب بادشاہ نے کہا کہ بہت اچھا سنانا شروع کرو تو وہ اڑھائی دن تک وہیں بیٹھے سناتا رہا اور پورے انتیس سو قصائد پڑھ ڈالے۔

ظہورِ اسلام کے بعد تمام عرب قرآن اور احادیث کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ تذکروں میں ایسے سینکڑوں افراد کے نام دیے ہوئے ہیں جنھیں ہزارہا احادیث یاد تھیں۔ امام بخاریؒ کے متعلق لکھا ہے کہ انھیں دو لاکھ احادیث ازبر تھیں۔ امام مسلمؒ کو تین لاکھ اور امام ابو زرعہؒ کو سات لاکھ یاد تھیں۔ ان لوگوں کے لیے قرآن کی چھ ہزار آیات کو یاد کرنا کوئی مشکل مرحلہ نہ تھا۔ اور خصوصاً جب کہ قرآن یکبار نازل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ تیئیس برس کے طویل عرصے میں ٹکڑے ٹکڑے اترا تھا۔ اگر ان آیات کو تیئیس سال پہ پھیلا دیا جائے۔ تو سال میں دو سو اکہتر اور ایک مہینے میں ساڑھے بائیس آیات بنتی ہیں۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰہُ لِتَقْرَاَہٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکْثٍ

(اسرائیل ۱۲/۱۰۶)

اور یہ قرآن ٹکڑے ٹکڑے ہم نے اتارا تاکہ تم لوگوں کو دھیرے دھیرے پڑھ کر سناؤ۔

کفار یہ اعتراض بھی کیا کرتے تھے کہ قرآن کو یکدم کتابی صورت میں کیوں نہیں اتارا جاتا۔ اللہ نے اس کے دو جواب دیے۔

۱۔ ہمارا مقصد قرآن اتارنا ہی نہیں بلکہ اُس کی حفاظت بھی ہے اور اس کی بہترین صورت یہی ہے کہ تھوڑا تھوڑا اتارا جائے تاکہ حافظہ میں محفوظ ہوتا چلا جائے۔

۲۔ اس کے متن کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے سے رسول کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ ایک آدمی کو اگر ہر روز ایک بات کہی جائے تو اس کے لیے اس پر عمل آسان ہوگا۔ اور اگر اُسی آدمی کو چھ ہزار باتیں ایک ہی دن میں کہہ دی جائیں تو وہ گھبرا جائے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۔

(فرقان ۳/۲۳)

(کافر کہتے ہیں کہ رسول پر قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوتا۔ کہو کہ ہماری حکمت کا تقاضا یہی ہے۔ ہم تمہارے حوصلے کو بلند اور مضبوط رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اسی لیے اسے دھیرے دھیرے نازل کیا ہے۔)

جس طرح رسول کریم صلعم نے صحابہ کو تئیس برس میں مکمل قرآن کی تعلیم دی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کو تھوڑا تھوڑا قرآن شریف روزانہ پڑھائیں۔ اور پچیس برس کی عمر تک تمام ہدایات و حکام اُن کے ذہن نشین کرا دیں۔

۔ قرآن کے متعلق اللہ نے تین وعدے کیے تھے۔

اول۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر ۱/۱۰)

(تحقیق یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے اور ہم یقیناً و لازماً اس کی حفاظت کریں گے)

دیکھا آپ نے کہ کتنے زور سے حفاظتِ قرآن کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

دوم۔ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ (قیامہ ۱۶ — ۱۹)

قرآن کو پڑھنے میں جلدی کیا نہ کرو۔ اسکو **جمع** کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ جب (نزولِ وحی کے وقت) ہم پڑھ چکیں تو اس کے بعد تم پڑھا کرو۔ یاد رکھو کہ اس قرآن کی **تشریح و تفسیر** بھی ہمارے ذمہ ہے۔

اس آیت میں دو وعدے ہیں۔ جمع قرآن اور تفسیرِ قرآن کا۔

جمعِ قرآن مشہور یہ ہے کہ قرآن حضرت عثمانؓ نے جمع کیا تھا لیکن یہ

غلط ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے جمع قرآن کا اہتمام اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اس لیے حضور صلعم کو بذریعۂ وحی ہدایت ہوتی تھی کہ فلاں آیت کو فلاں سورہ میں درج کر دو۔ اس پر کئی احادیث موجود ہیں۔ مثلاً

کان رسول اللہ صلعم مما یاتی علیه الزمان وھو ینزل علیه السور ذات العدد وکان اذا نزل علیه شیئ دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھؤلاء الآیات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا۔ فاذا نزل علیه الآیۃ فیقول ضعوا ھذہ الآیۃ فی السورۃ التی یذکر کذا وکذا۔

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ مسند امام احمد۔ مشکوٰۃ۔
کتاب فضائل القرآن)

(حضور صلعم پر بعض اوقات کثیر الآیات سورتیں اترتی تھیں۔ جب بھی کوئی شے نازل ہوتی تو آپ کسی کاتب وحی کو بلاتے اور فرماتے کہ ان آیات کو فلاں فلاں سورتوں میں لکھ دو۔ جب ایک آیت اترتی تو کہتے اسے فلاں سورت میں درج کرو۔

• عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں کہ میں حضور صلعم کی خدمت میں بیٹھا

ہوا تھا کہ ناگاہ آپؐ نے آنکھیں جھکا لیں۔ قریب تھا کہ آپؐ کا سرِ اقدس زمین کو چھو لیتا۔ پھر آپؐ نے آنکھ اٹھائی اور فرمایا۔ اتانی جبریل علیہ السلام فامرنی ان اضع ھذہ الایۃ بھذا الموضع من ھذہِ السُّورۃ۔ ان اللہ یامر بالعدل الخ میرے پاس ابھی ابھی جبرئیل آیا تھا اور اس نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس آیت (ان اللہ یامر بالعدل الخ) کو فلاں سورہ کے فلاں مقام پر رکھوں۔

(مسند امام احمد بن حنبل جزو چہارم ص۲۱۸)

اس طرح پورا قرآن ایک خاص ترتیب سے جمع ہو گیا۔ جس کا ایک نسخہ جو کاغذوں، پتوں، چمڑوں، درختوں کی چھال اور ٹھیکروں پر لکھا ہوا تھا حضور صلعم نے اپنے گھر میں رکھ لیا۔ بعض دیگر صحابہ نے بھی نسخے تیار کئے۔ آپ کو حضرت فاروقؓ کے اسلام لانے کا واقعہ تو یاد ہی ہو گا کہ وہ اپنی ہمشیرہ کے گھر پہنچے تو وہ ایک صحیفہ سے آیات پڑھ رہی تھیں۔ سُنَن نسائی میں عبداللہ بن عمر کا یہ قول درج ہے۔

قال جمعت القرآن فقرأت بہ کل لیلۃٍ فبلغ النبی صلعم فقال اقرأہُ فی شھرٍ

(کہتے ہیں کہ میں نے قرآن جمع کیا تھا جسے میں ہر رات ختم کر دیتا تھا

حضورؐ کو خبر ملی۔ تو ہدایت کی کہ مہینے میں ایک ختم کیا کرو۔)

ابن ابی داؤد نے محمد بن کعب القرظی کی یہ روایت درج کی ہے۔

قال جمع القرآن علی عہد رسول اللہ صلعم
خمسۃٌ من الانصار

(کہ عہد رسول اللہ صلعم میں پانچ انصار نے قرآن جمع کیا تھا)

ابن سیرینؒ کا بیان یہ ہے

جمع القرآن علی عہد رسول اللہ صلعم اربعۃٌ
(مدخل بیہقی)

(کہ عہد رسولؐ میں چار آدمیوں نے قرآن جمع کیا تھا۔)

یہ تو وہ صحابہ ہیں جن کے قرآنوں کا ذکر تاریخ میں آگیا ہے۔ نہ جانے کتنے اور ایسے ہوں گے جن کے نام محفوظ نہ رہ سکے۔ احادیث میں درج ہے کہ کتابتِ قرآن (وحی) پر تیرہ آدمی مامور تھے۔ زید بن ثابتؓ۔ ابوبکرؓ۔ علیؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ معاویہؓ۔ اُبی بن کعبؓ۔ زبیر بن العوامؓ۔ عبداللہ بن سعدؓ حنظلہؓ بن الربیع الاسدی۔ معیقیبؓ بن ابی فاطمہ۔ خالد بن عاصؓ۔ سعیدؓ بن عاص۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرات وحی کی کوئی نقل اپنے پاس بھی رکھتے ہوں گے۔ تو اللہ کا وہ وعدہ کہ قرآن ہم جمع کریں گے۔ یوں پورا ہوا۔

بعد از رحلت رسولؐ جب جنگ یمامہ میں سینکڑوں حافظین قرآن (ایک روایت میں تین سو) شہید ہو گئے تو قرآن کے مزید نسخے تیار کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کے گھر سے حضور صلعم کا نسخہ منگوا کر اُس کی ایک نقل کاغذ پہ لکھوائی۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دہ سالہ دورِ خلافت میں قرآن کی ایک لاکھ نقول تیار کرائی تھیں اور جو کسر رہ گئی تھی وہ حضرت عثمانؓ نے پوری کر دی۔

حفاظتِ قرآن

کتابتِ قرآن کے علاوہ حفاظتِ قرآن کے بعض دیگر وسائل بھی اختیار کیے گئے۔

اول حضورؐ صلعم خود حافظِ قرآن تھے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ

اے رسول ہم تمہیں قرآن یوں پڑھائیں گے
کہ تم پھر نہیں بھولو گے)

پھر آپ قرآن کا درس دیتے۔ نمازوں میں پڑھتے۔ ہر موقع و محل پہ تلاوت فرماتے جس سے سینکڑوں دیگر صحابہ کو بھی قرآن یاد ہو گیا تھا۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جنگ یمامہ میں تین سو صحابہ شہید ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ جنگ رحلت رسولؐ کے معاً بعد ہوئی تھی۔ اس لیے ان حافظین نے عہدِ رسول ہی میں قرآن حفظ کیا ہوگا۔ افسوس کہ حافظین کی پوری تعداد کا ذکر ہماری تاریخ میں

موجود نہیں۔ البتہ صحابہ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ ان کی تعداد چار لاکھ کے قریب تھی۔ ان صحابہ کو قرآن و رسول سے جو عشق تھا۔ اُس سے تو اندازہ یہی ہوتا ہے کہ سب کے سب حافظِ قرآن ہوں گے۔ لیکن اگر ہم ان کا تناسب پانچ فیصد ہی فرض کر لیں۔ تب بھی یہ تعداد بیس ہزار تک جا پہنچتی ہے تو جو قرآن بیس ہزار صحابہ کو یاد تھا۔ جس کا ایک نسخہ حضور صلعم کے حرم میں ایک عبداللہ بن عمر کے ہاں اور پانچ انصار کے پاس موجود تھے۔ کیا ابوبکرؓ و عمرؓ میں یہ ہمت تھی کہ اُس میں کوئی تبدیلی کریں۔ اور پھر ان لوگوں کے سامنے جن کی جانبازی، سرفروشی اور عشقِ خدا اور رسول کی داستانوں سے سارا عرب گونج رہا تھا اور جنھوں نے چند معمولی معمولی شکایات پر دن دہاڑے حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا تھا؟ یا حضرت امیر المومنینؓ میں یہ جرأت تھی کہ اسے ہمیشہ کے لیے غائب کر دیں۔ جو قرآن بیس ہزار سینوں میں مکمل ترتیب و اعراب کے ساتھ محفوظ تھا۔ اسے غائب کرنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔ ان بیس ہزار حفاظ اور دیگر پونے چار لاکھ صحابہ کو اگلی نسل نے وہی قرآن پڑھتے سُنا۔ پھر اگلی نے سُنا اور نوبت ہم تک آ پہنچی۔ ہم اس قرآن کو اس لیے صحیح و کامل نہیں سمجھتے کہ کسی حدیث میں آیا ہے بلکہ اس لیے کہ یہ تواتر ہم تک پہنچا ہے۔ اور تواتر ایک ایسی زبردست شہادت ہے۔ جسے کوئی شخص مسترد نہیں کر سکتا۔

علاوہ ازیں حضور صلعم نے تمام صحابہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ نو مسلموں
قرآن پڑھائیں۔

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ

(صحیح بخاری)

(تم میں سے اچھا وہ ہے جو خود قرآن پڑھے اور دوسروں کو بھی پڑھائے)

اس ارشاد کا نتیجہ یہ تھا کہ ہزار ہا صحابہ قرآن یاد کرتے تھے۔ مسجد نبوی تلاوت سے گونجا کرتی تھی۔ ہر رمضان میں حضورؐ پورا قرآن رات کو نفلوں میں بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی حیاتِ مقدسہ ہی میں سارا عرب فتح ہو گیا تھا۔ ہزار ہا مساجد یمن، بحرین، عمان، نجد، طائف، بلاد مصر و ربیعہ میں بن گئی تھیں۔ ان میں مسلمان جھوم جھوم کر قرآن شریف کی تلاوت کرتے تھے۔ اور اپنے گھروں، محفلوں اور میلوں میں اس کا چرچا کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہ مثلاً مصعب بن عمیرؓ اور عمرو بنؓ ام مکتوم وغیرہ خصوصیت سے تدریسِ قرآن پر متعین تھے۔ ان حالات میں قرآن کی تحریف و تغیر کا امکان ہی کہاں باقی رہا تھا۔

اللہ نے حفاظتِ قرآن کا ایک اور انتظام یہ کیا کہ اسلوب بیان (سٹائل) کو معجزانہ بنا کر انسانی فصاحت و بلاغت کی رسائی سے وراتر حد اتر

کردیا۔ سٹائل نام ہے مخصوص قسم کی ترکیب و بندش کا۔ جس طرح ہر انسان کی چال ڈھال اور سیرت دوسرے سے الگ ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر مصنف کا اندازِ نگارش (تراکیب و اسالیب، بندش، ربط و نظم الفاظ) دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ کلیم و سینا کا مضمون ہزارہا شعراء نے باندھا۔ لیکن شعرِ ذیل:-

؎ خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ
تو شعلۂ سینائی۔ میں شعلۂ سینائی

کا اسلوب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں حکیم مشرقؒ کی تخلیق ہوں۔ تمام بڑے بڑے شعراء مثلاً اختر شیرانی، ندیم، جوش، غالب، مومن اور ادباء مثلاً مولانا ظفر علی، ابوالکلام، حسن نظامی، راشد الخیری اور محمد حسین آزاد کا سٹائل ایک دوسرے سے جدا تھا۔ انسانی دنیا میں یہ امکان ہے کہ ابوالکلام یا ظفر علی سے کوئی بہتر لکھنے والا پیدا ہو جائے۔ لیکن قرآن کا یہ خاص اعجاز ہے کہ کوئی انسان اس کے اسلوب میں ایک جملہ تک نہیں لکھ سکتا۔ مسیلمہ جیسے چند مدعیانِ نبوت نے قرآن کے رنگ میں الہام گھڑنے کی کوشش لیکن وہ مضحکہ بن کر رہ گئے۔ یہ امتیاز صرف قرآن ہی کو حاصل نہیں بلکہ اللہ کی ہر تخلیق سراپا اعجاز ہے۔ تمام دنیا اپنے تمام وسائل حکمت و دانش کو بروئے کار لانے کے بعد بھی ایک پتہ، ایک پھول، ایک کنکر، ایک بال اور

ایک مچھّر تک نہیں بنا سکتی۔ اسی طرح عرب و عجم کے تمام ادیب مل کر قرآن کے انداز میں ایک آیت تک نہیں لکھ سکتے۔ یہ وہ چیلنج ہے جو آج سے چودہ سو برس پہلے ہمارے اُمّی رہنما علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے سارے عالم کو دیا تھا۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۔ (بنی اسرائیل $\frac{1}{88}$)

اے رسول! انھیں کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی نظیر تیار کرنا چاہیں تو وہ ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کریں۔

اور اس دوران میں ادبائے عالم نے بڑا زور صرف کیا۔ لیکن تمام ناکام ہو کر رہ گئے۔

امامیہ اور قرآن

اوراقِ گذشتہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ اہلِ سنت کے ہاں بھی تحریفِ قرآن پر چند روایات ملتی ہیں کچھ ایسی بھی ہیں۔ جن سے ازواجِ مطہرات، صحابہ اور سرورِ کائنات کی توہین کا پہلو نکلتا ہے (ملاحظہ ہو میری تصنیف "دو اسلام") اور کچھ ایسی بھی جو صرف عقائد کو مدارِ نجات ٹھہراتی اور عمل کو بے کار بتاتی ہیں۔ صحیح الخیال علمائے سنت ایسی روایات سے ہمیشہ بیزار رہے۔ یہی حال امامیہ کا ہے

گو ان کے ہاں دو ہزار سے زائد روایاتِ تحریف موجود ہیں۔ کتابوں کی کتابیں قدحِ صحابہ سے بھری پڑی ہیں اور حضرت امیرؓ کے متعلق نہایت غالیانہ قسم کے عقائد قدم قدم پر ملتے ہیں۔ لیکن صحیح الخیال علمائے امامیہ ان تمام چیزوں سے بیزار رہے۔ یہ قرآن کو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ سمجھتے، حضرت امیرؓ کو حضور صلعم کے بعد دوسرا درجہ دیتے اور دیگر صحابۂ کرام کے فضائل و مناقب کے قائل ہیں۔ سردست صحتِ قرآن پر چند شہادتیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ ملّا فتح اللہ کاشانی ایک بلند پایہ شیعی عالم تھے۔ آپ اپنی تفسیر خلاصۃ المنہج میں نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ کے تحت لکھتے ہیں۔

«ما فرستادیم قرآن را ...... و بدرستیکہ ما ئیم نگہبانیم از تغیر و تبدل۔ یعنی شیاطین نتوانند کہ در او چیزے از باطل بیفزانید یا چیزے از حق کم کنند

(ہم نے قرآن نازل کیا اور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے اس کی حفاظت کریں گے ..... اور شیاطین کو یہ موقع نہیں دیں گے کہ اس میں کسی غلط چیز کا اضافہ کریں۔ یا اس میں سے کوئی صحیح چیز کم کر دیں۔)

۲۔ امامیہ کے ایک اور فاضل اجل علامہ محسن کاشی اپنی تفسیر صافی میں اسی آیت کی تفسیر یوں لکھتے ہیں

وانا له لحافظون من التحريف والتغير والزيادة والنقصان

(کہ ہم اس قرآن کو تحریف، تغیر، اضافہ اور تنقیص سے محفوظ رکھیں گے)

۳۔ علامہ طبری امامیہ کے جلیل القدر عالم و مصنف تھے۔ آپ اپنی تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کی یوں تفسیر فرماتے ہیں

وانا لهٗ لحافظون عن الزيادة والنقصان والتحريف والتغير

(کہ ہم اس قرآن کو زیادتی، کمی، تحریف اور تغیر سے محفوظ رکھیں گے۔

امامیہ کے مجموعہائے حدیث چار ہیں۔ جو صحاح اربعہ کے نام سے مشہور ہیں۔

نام	مؤلف
۱۔ کافی	ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی (وفات ۳۲۹ھ)
۲۔ تہذیب الاحکام	شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی الطوسی (علم

الہدیٰ کے شاگرد وفات سنہ ۴۶۰ھ)

۳- استبصار فیما اختلف من الاخبار ״ ״ ״

۴- من لایحضرہ الفقیہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی المنقلب بہ الصدوق (وفات سنہ ۳۸۱ھ)

تحریف قرآن کی احادیث صرف کافی ہیں ملتی ہیں۔ باقی تینوں مجموعے ایسی احادیث سے خالی ہیں اور ان کے مولفین قرآن کی صحت کے قائل تھے۔ مثلاً۔

۴- شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "رسالۃ فی الاعتقادات" طبع ایران سنہ ۱۲۲۴ھ میں لکھتے ہیں۔

> اعتقادنا ان القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمد ھو ما بین الدفتین وھو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذلک ...... ومن نسب الینا انا نقول انہ اکثر من ذلک فھو کاذب

(ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جو قرآن اللہ نے حضور صلعم پہ نازل کیا تھا، وہی ہے جو دفتین (دفتہ۔ کتاب کی بیرونی جلد) میں محفوظ لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس سے زیادہ قطعاً نہیں تھا۔ جو لوگ ہماری طرف یہ

عقیدہ منسوب کرتے ہیں کہ ہم کسی بڑے قرآن کے قائل ہیں۔ وہ جھوٹے ہیں)

۵۔ شیخ الطائفہ کی رائے تفسیر صافی (ص۱۵) میں یوں درج ہے۔

وقال شیخ الطائفة محمد بن الحسن الطوسی فی تبیانه واما الکلام فی زیادته ونقصانه فمما لایلیق به لان الزیادة فیه مجمع علی بطلانه والنقصانُ منه فالظاهر من مذهب المسلمین خلافه وهو الالیق بالصحیح من مذهبنا۔۔۔ وربّما یرد من اختلاف الاخبار فی الفروع وعرضها علیه فما وافقه عمل علیه وماخالفه یجتنّب ولم یلتفت الیه وقد ورد عن النبی روایة لا یدفعها احدٌ انه قال انّی مخلّفٌ فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا کتاب الله وعترتی اهل بیتی و انّهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض وهذا یدل علی الله مرجود فی کل عصر لانه لا یجوز ان یامرنا بالتمسك بما لا نقدر علی التمسك به۔

(شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی اپنی کتاب "تبیان" میں فرماتے

ہیں۔ کہ قرآن میں کمی بیشی کی بحث ناروا ہے۔ جہاں تک بیشی کا تعلق ہے اسے کوئی بھی نہیں مانتا۔ رہی کمی تو ظاہر مذہب اس کے خلاف ہے اور یہی ہمارے صحیح مذہب کے مطابق ہے..... رہی وہ متصادم روایات جو فروع کافی میں پائی جاتی ہیں۔ انھیں قرآن پہ پرکھو۔ جو قرآن کے مطابق ہوں انھیں لے لو اور جو مخالف ہوں انھیں مسترد کردو۔ حضور صلعم کی اس حدیث پر سب متفق ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میں اپنے بعد دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، قرآن اور اہل بیت، اگر انھیں تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے کبھی الگ نہیں ہوں گی۔ اور میرے پاس حوض کوثر پہ اکھٹی وارد ہوں گی۔ اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود تھا اور رہے گا۔ ورنہ ایسے **قرآن سے جو موجود ہی نہ ہو** (غائب ہو چکا ہو۔ یا مسخ کردیا گیا ہو) تمسک کرنا بے معنی ہے۔

۶۔ شیخ الطائفہ کے استاذ اجل علامہ علم الہدیٰ مرتضیٰ (وفات ۴۳۶ھ) کی رائے شیخ بوعلی طبری نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں یوں درج کی ہے:۔

وذکر فی مواضع ان العلم بصحۃ نقل القرآن کالعلم بالبلدان والحوادث الکبار والوقائع

العظام والكتب المشهورة واشعار العرب
المسطورة فان العناية اشتدت والدواعى
توفرت على نقله وحراسته وبلغت الى حد لو
يبلغه فيما ذكرناه لان القرآن معجزة النبوة و
مآخذ العلوم الشرعية والاحكام الدينية والعلماء
قد بلغوا فى حفظه وحمايته الغاية حتى عرفوا
كل شيء اختلف فيه من اعرابه وقرأته واية.
فكيف يجوز ان يكون مغيراً او منقوصاً مع العناية
الصادقة والضبط الشديد...... وذكر ايضاً
رضى الله عنه ان القرآن كان على عهد رسول
الله مجموعاً مؤلفاً على ما هو عليه الآن واستدل
على ذلك بان القرآن كان يدرس يحفظ جميعه
فى ذلك الزمان حتى عين على جماعة من الصحابة
مثل عبد الله بن مسعود وأُبي بن كعب وغيرهما
ختم القرآن على النبى عدة ختمات وكل ذلك
يدل بادنى تامل على انه كان مجموعاً مرتباً غير
مبتور ولا مبثوث. وذكر انّ من خالف فى ذلك

من الامامية والحشوية لا يعتد بخلافهم فان الخلاف في ذلك مضاف الى قوم من اصحاب الحديث نقلوا اخباراً ضعيفةً ظنّوا صحتها۔

(علامہ علم الہدیٰ نے کئی مواقع پر لکھا ہے کہ قرآن کی صحیح نقل ہونے کا علم اتنا ہی یقینی ہے۔ جتنا کہ شہروں، مشہور واقعات وحوادث مشہور کتابوں اور اشعار عرب کا۔ قرآن کی کتابت وحفاظت کے وسائل اس قدر زیادہ تھے اور اس معاملہ پہ اتنی زبردست توجہ دی گئی کہ مذکورہ بالا (بلدون۔ حوادث وغیرہ) میں سے کسی پہ آج تک نہیں دی گئی۔ بات یہ ہے کہ قرآن معجزۂ نبوت اور احکام دینیہ کا ماخذ تھا۔ علمائے اسلام نے اس کی حفاظت اس حد تک کی تھی کہ انھیں قرآن کے اعراب قرأت اور حروف وآیات کا چھوٹا بڑا اختلاف تک معلوم تھا اس زبردست توجہ اور انتہائی ضبط واہتمام کے بعد کسی کمی بیشی کا احتمال تک باقی نہیں رہتا ...... علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن حضور صلعم کی زندگی ہی میں جمع ہو گیا تھا اور اس کی ترتیب بالکل وہی تھی جو آج ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ عہد رسول میں قرآن پڑھا اور حفظ کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کی ایک جماعت حفظ قرآن پر متعین تھی۔ یہ لوگ حضور صلعم کے سامنے قرآن پیش کرتے

> اور پڑھتے۔ ایک ایسی جماعت بھی تھی مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعب وغیرہ جس نے حضورؐ کے سامنے قرآن کے کئی ختم کیے تھے۔ ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عہدِ رسولؐ میں قرآن باقاعدہ مرتب تھا وہ بکھرا ہوا یا ناقص نہیں تھا۔ علامہ نے مزید یہ کہا ہے کہ امامیہ و حشویہ میں سے جو لوگ صحتِ قرآن کے منکر تھے۔ ان کی رائے قابلِ اعتماد نہیں۔ صحتِ قرآن سے حقیقی اختلاف دراصل اربابِ حدیث یا اخباریہ کو ہے جنھوں نے ضعیف راویوں کی روایات اپنے مجموعوں میں درج کر لیں اور انھیں صحیح سمجھ بیٹھے)

یہ تین بزرگ، شیخ صدوق، شیخ الطائفہ اور علم الہدیٰ امامیہ اور اہلِ سنت ہر دو کے عظیم محسن ہیں۔ عبداللہ بن سبا نے تحریفِ قرآن کی جو رَو چلائی تھی۔ اس رَو کو ان بزرگوں نے پہلی مرتبہ روکا اور گم شدہ قرآن امامیہ کو دوبارہ دیا۔ اہلِ سنت اِن بزرگوں کے یوں مشکور ہیں کہ قرآن کے بغیر امامیہ و اہلِ سنت میں کوئی اور قدرِ مشترک ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ ان کی مسجدیں، نمازیں، اور حدیثیں پہلے ہی جدا ہو چکی تھیں۔ اگر قرآن کا رشتہ بھی کٹ جاتا تو دونوں الگ الگ ملتیں بن جاتیں جن میں تکفیر و تفسیق کے پہاڑ حائل ہو جاتے[1]

---

[1] یہاں تک پہنچا تھا کہ نیند نے آ لیا۔ خواب میں امام جعفر صادق علیہ السلام (باقی اگلے صفحہ پر)

ان بزرگوں کے رخصت ہو جانے کے بعد بعض علما نے تحریف قرآن کے عقیدہ میں پھر جان ڈالنی چاہی۔ ان میں سے مشہور ملا خلیل قزوینی (وفات سنہ ۸۹ھ سید نعمت اللہ الحسینی الجزائری (وفات گیارھویں صدی کے آخر) سید محمد باقر بن سید محمد موسوی مصنف "بحر الجواہر" (عہد قاچار میں تصنیف ہوئی) سید علی اکبر بن علی اصغر ایرانی (بہ عہد قاچار) اور الٰہ آباد کے ایک عالم سید محمد اسمٰعیل تھے۔ لیکن امامیہ نے توجہ نہ دی۔ لیکن بحمد اللہ کہ آج دنیائے اسلام میں یہ عقیدہ کہیں موجود نہیں۔

اس سلسلہ میں بعض اور امامیہ علماء کی مساعی بھی قابل ستائش ہیں۔ مثلاً

۷۔ علامہ مرزا ابو القاسم فرماتے ہیں

> قرآن میں تحریف ہوئی ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ پر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر اخباری (ارباب حدیث) تحریف کے قائل ہیں۔ مثلاً کلینی، علی بن ابراہیم قمی اور شیخ احمد بن ابی طالب طبری وغیرہ

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کی زیارت ہوئی۔ آپ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے جن سے تعارف نہ ہو سکا۔ میں نے آپ کے ہاتھ چومے اور آپ مسکرا رہے تھے۔ الحمد اللہ۔

(برق، ۶ جولائی سنہ ۱۹۵ء

لیکن علم الہدیٰ، شیخ صدوق، محقق طبرسی بن الفضل اور تمام جمہور مجتہدین شیعہ تحریفِ قرآن کے قائل نہیں"۔

(قوانین الاصول طبع ایران، ج ۱، باب ۶ ص ۶۱۵)

۸۔ مجتہد علامہ علی الحائری لاہوری نے ایک مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

"میں ببانگ دہل تم پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ شیعہ موجودہ قرآن کو منزل من اللہ اور غیر محرف مانتے ہیں۔ جو شخص قرآن میں کمی زیادتی کا ہونا ہماری طرف نسبت کرتا ہے وہ کاذب اور مفتری ہے۔ تمام اصولی شیعوں کا یہی اعتقاد ہے"۔

(موعظہ "تحریف القرآن" طبع اپریل ۱۹۲۳ء، ص ۵۶)

گذشتہ صفحات میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اپنے عہدِ خلافت میں یہی قرآن پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ اگر اُس سترہ ہزار آیات والے قرآن کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ساتھ ہی یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت امام مہدی کے دَور تک وہ مقفل رہا اور ائمہ کے سوا کسی کی اُس تک رسائی نہ ہو سکی۔ یہی قرآن نمازوں میں پڑھا جاتا تھا۔ عوام کے پاس یہی صحیفۂ مقدسہ تھا۔ اور ائمہ اہل بیت عوام کو جس کتاب اللہ پہ عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ وہ یہی قرآن تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اِس

قرآن کے متعلق ان ائمہ کی رائے کیا تھی۔ اگر یہ قرآن محرّف تھا تو ائمہ نے لازماً اس کی تنقیص کی ہوگی۔ بھلا ایک محرّف اور مسخ شدہ کتاب کی تعریف وہ کیسے کر سکتے تھے۔ چند اقوال ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت امیر المومنینؑ اہل بصرہ کے ایک اجماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وعلیکم بکتاب اللہ فانہ الحبل المتین والنور المبین والشفاءُ النافع والرّیّ النافع والعصمۃ للمتمسّک والنجاۃ للمتعلق۔

(نہج البلاغہ طبع بیروت جزو اول ص ۱۶۲)

(اے اہل بصرہ تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑو۔ یہ ایک مضبوط رسی، روشن نور، مفید شفا، اور پیاس فرو کرنے والا پانی ہے۔ اسے جو تھامے گا بچ جائے گا اور جو عمل کرے گا نجات پا جائے گا)

۲۔ ایک اور موقع پر فرمایا

ثُمَّ انزل علیہ الکتاب نوراً لا تطفأ مصابیحُہ وسراجاً لا یخباء توقّدُہ وبحراً لا یدرک قعرہ الخ۔

(نہج البلاغہ طبع بیروت جزو اول ص ۲۲۷)

(پھر اللہ نے حضور صلعم پر ایک کتاب نازل فرمائی۔ یہ کتاب ایک ایسا نور ہے جس کے چراغ بجھائے نہیں جا سکتے۔ ایسا چراغ ہے جس کی روشنی گل نہیں ہو سکتی اور ایسا سمندر ہے جس کی گہرائیوں تک پہنچنا دشوار ہے......)

۳۔ سعد الخفاف امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

یا سعد تعلّمو القرآن۔۔

اے سعد قرآن سیکھو.....

(اصولِ کافی ص۳۵۳)

۴۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

انّ ہذا القرآن فیہ منار الہدیٰ ومصابیح الدُّجیٰ....... (اصولِ کافی ص۶۵۵)

(کہ اس قرآن میں ہدایت کے چراغ دان اور اندھیروں کو دور کرنے والے مشعل ہیں)

۵۔ امام حسن عسکریؑ کا ارشاد ہے

إنّ ہذا القرآن ہو النور المبین والحبل المتین والعروۃ الوثقیٰ والدرجۃ العلیا والشفاء الاشفیٰ والفضیلۃ الکبریٰ والسعادۃُ العظمیٰ.......

(تفسیر امام حسن عسکری طبع مطبع جعفری سنہ ۱۳۱۰ھ ص۲۲۳)

(یہ قرآن نور مبین، حبل متین عُروۂ وثقیٰ، درجۂ عُلیا، زبردست شفا فضیلت کبریٰ اور سعادتِ عُظمیٰ ہے)

ائمہ اہل بیت کی اس زبردست تصدیق کے بعد قرآنِ عظیم کے غیر محرّف ہونے کے متعلق کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ پریس عصرِ حاضر کی ایجاد ہے پہلے کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اور ہمیشہ یہ خطرہ دامنگیر رہتا تھا کہ نقل کرتے وقت کوئی کاتب غلطی نہ کر جائے۔ لیکن قرآن اس خطرے سے محفوظ تھا کیونکہ لاکھوں سینوں میں محفوظ تھا۔ اب پریس کی ایجاد نے اسے تحریف سے اور زیادہ محفوظ کر دیا ہے۔ اور اس طرح اللہ کا وہ وعدہ پورا ہو کر رہا کہ

اِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ

(کہ ہم یقیناً اس کی حفاظت کرینگے)

باطل نے اس کتابِ عظیم پر بڑے حملے کئے۔ لیکن یہ اس قدر مضبوط قلعوں میں پناہ گزیں تھی کہ باطل اپنا ہی سر پھوڑ کر رہ گیا۔ اس کا کچھ نہ بگڑ سکا۔ اور نہ آئندہ قیامت تک کچھ بگڑے گا۔

وَاِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلٌ مِنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝

(حٰم ۴۲)

دیہ ایک نہایت طاقتور اور غالب کتاب ہے۔ باطل آگے یا پیچھے سے اس کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ یہ اُس خدا نے نازل کی جس کی حکمت و دانش کا کوئی کرانہ نہیں اور جو ساری کائنات کا ممدوح ہے)

بیانِ قرآن

اللہ کا تیسرا وعدہ بیان و تشریح قرآن کے متعلق تھا۔ قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں، اول محکم جن کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ مثلاً یہ کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، جہاد و حج کرو، اللہ کی راہ میں خیرات دو، سچ بولو، جھوٹ، چوری اور دیگر محرّمات سے بچو۔ یا اقوام کی کہانیاں، انبیاء کی داستانیں اور نکاح و طلاق کے فقہی مسائل وغیرہ۔ دوم متشابہات، جن میں قیامت، ملائکہ، ابلیس جنات تخلیقِ آدم، آغازِ آفرینش، خالقِ کائنات، سماوات اور دیگر مُغلق مسائل کا ذکر ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت متشابہ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعد میں کچھ ایسے اربابِ علم آئے جنھوں نے بعض آیات کو واضح کرکے محکم بنا دیا۔ گذشتہ سو برس سے علم میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے جس سے بعض مزید آیات حل ہو گئی ہیں۔ مثلاً

۱۔ جب فرعون غرق ہوا تھا تو اللہ نے فرمایا تھا

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ
آیَةً (یونس ۹۲)

(آج ہم تمہاری لاش کو بچا کر رکھیں گے تاکہ تو آنے والی نسلوں کے لیے ایک سبق بن جائے)

یہ آیت صدیوں متشابہ رہی۔ یہاں تک کہ اس صدی کے رُبع اوّل میں اُسی فرعون کی لاش کہیں سے نکل آئی جو قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور اس طرح یہ آیت محکم بن گئی۔

۲۔ عصرِ حاضر کے ماہرینِ تخلیق نے دریافت کیا ہے کہ آغاز میں، ارض و سما کی تخلیق سے پہلے ہر طرف دھواں سا چھایا ہوا تھا۔ زمین و آسمانی اجرام کا ہیولیٰ آپس میں ملا ہوا تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ اس دھوئیں میں حرکت ہیجان اور تلاطم سا پیدا ہو گیا۔ ذرات انباروں کی صورت میں جمع ہو کر کرّے بن گئے جو ایک دوسرے سے دور ہٹتے گئے اور ستارے بن کر اپنے مداروں میں گھومنے لگے۔ بعد میں جب سمندر وجود میں آئے اور لاکھوں سال تک سورج دلدلوں میں چمکتا رہا تو کیچڑ میں ایک جرثومہ پیدا ہو گیا جو ایک ہی خلیے سے بنا تھا۔ یہی جرثومہ بعد میں ارتقا پذیر ہو کر جونکوں، مچھلیوں دیگر جانداروں اور بالآخر انسان کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ بدیگر الفاظ ...... زندگی کا آغاز سمندری دلدل سے ہوا تھا۔

اب اُن آیات کو پڑھیے جو ان انکشافات کی روشنی میں قدرے واضح ہو چکی ہیں۔

فَاسْتَوٰیٓ اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ ٥

اللہ نے تخلیقِ فلک کا ارادہ کیا تو فضا میں ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا)

اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔

(شروع میں ارض و سماء کا ہیولیٰ آپس میں ملا ہوا تھا۔ پھر ہم نے اسے الگ الگ کر دیا۔ اور زندگی کا آغاز پانی (سمندر) سے کیا)

اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ

ہم نے انھیں لیسدار کیچڑ سے یا دلدل سے پیدا کیا ہے)

علم میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے۔ کائنات کے اسرار ہر روز کھل رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی قرآن کی آیات بھی حل ہوتی جا رہی ہیں۔ چونکہ اللہ نے تشریحِ قرآن کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ چند صدیوں کے بعد تمام متشابہات محکمات میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اور اللہ کا یہ ارشاد کہ

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ٥ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ

(متشابہات کی حقیقت و تشریح کو یا تو اللہ جانتا ہے اور یا وہ لوگ

جو ہیب علم کے مالک ہیں)

ایک حقیقت بن کر سامنے آجائے گا۔

تصریحاتِ بالا سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ امامیہ و اہل سنّت دونوں قرآن کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ کتابِ عظیم دونوں گروہوں کا مشترک ورثہ ہے۔

باب سوم

حدیث

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ابتدائے اسلام سے اعدائے اسلام، پیروانِ اسلام کی وحدت، یک رنگی، قوت اور مرکزیت کو ختم کرنے کے درپے تھے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا کہ قرآن کو ختم کر دیا جائے لیکن حضور صلعم اسے تیئیس برس کی مدت میں اس قدر محفوظ کر گئے تھے۔ اتنے نسخے لکھوا گئے تھے اور حافظین کی اتنی بڑی تعداد چھوڑ گئے تھے کہ اس کتابِ عزیز کو بگاڑنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے ایک اور راستہ نکالا کر تحریفِ قرآن۔ توہینِ رسولؐ و آلِ رسولؐ نیز عقائد کو مسخ کرنے کے لیے لاکھوں روایات تراش کر انھیں ائمہ و رسولؐ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ کام کئی صدیوں تک جاری رہا۔ اہلِ سنت کا پہلا مجموعۂ حدیث امام ابنِ شہاب الزہری المدنی نے اندازاً ۱۲۵ھ میں مرتب کیا تھا جو آج کہیں موجود نہیں۔

اس کے بعد سنہ ۱۶۰ھ کے قریب امام مالکؒ نے موطا مدون کی۔ امام بخاری کی "صحیح" سنہ ۲۴۰ھ کے قریب وجود میں آئی۔ اور دیگر تمام مجموعے مثلاً صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی، سنن نسائی مسند امام احمد حنبل وغیرہ بعد کے ہیں۔ امامیہ کا پہلا مجموعہ "کافی" سنہ ۳۲۰ھ کے قریب مدون ہوا تھا۔ شیخ الصدوق کی صحیح "من لا یحضرہ الفقیہ" سنہ ۳۷۵ھ کے قریب وجود میں آئی تھی۔ اور شیخ الطائفہ نے اپنے دونوں مجموعے "تہذیب الاحکام" اور "استبصار" سنہ ۴۳۰ھ اور سنہ ۴۶۰ھ کے مابین مرتب کئے تھے۔ اس ساڑھے چار سو برس میں ذخیرۂ احادیث پر کیا گذری یہ ایک طویل کہانی ہے۔ اعدائے اسلام تو اسلام کی صورت مسخ کرنے میں مصروف تھے ہی۔ بعض مسلمانوں نے بھی اس 'کارِ خیر' میں حصہ لیا۔ علامہ محمد طاہر گجراتی نے اپنی تصنیف "قانون الاخبارِ الموضوعۃ والرجال الضعفاءِ" میں قریباً دو ہزار ایسے اشخاص کے نام دیئے ہیں جو جھوٹی روایات تراشا کرتے تھے۔ کسی نے ہزار تراشیں اور کسی نے دس ہزار۔ "موضوعات کبیر" میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ابنِ عکاث اور محمد بن تمیم نے دس ہزار روایات وضع کی تھیں۔ جب ابن ابی العوجا زندیق جرمِ حدیث تراشی میں گرفتار ہوا اور خلیفۂ وقت نے پوچھا کہ تم نے کتنی روایات وضع کی ہیں اور تمہارا مقصد کیا تھا تو اس نے

کہا کہ میں چار ہزار روایات تراش چکا ہوں اور میرا مقصد قرآن کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانا تھا۔ جمال الدین المزنی اپنی کتاب "الوجیز" میں لکھتے ہیں کہ قاضی ابو النصر بن ردعان کا کام ہی روایات گھڑنا تھا امام سیوطی "لآلی" میں فرماتے ہیں کہ ابان بن جعفر البصری نے تین سو روایات امام ابوحنیفہؒ کے نام سے وضع کی تھی اور اسی بزرگ نے احادیث کا ایک اور مجموعہ مرتب کیا تھا جس کی ہر حدیث حضرت انسؓ کی طرف منسوب کر دی تھی۔

اس طوفانِ روایات کا یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن کی تلواروں، قربانیوں اور بلند اعمال سے حاصل ہونے والی بہشت چند ادعیہ و اوراد پر تقسیم ہونے لگی۔ رات کے دو نفل "خیرٌ من الدنیا وما فیھا" قرار دیے گئے اور ایسے ایسے ارکان و اصول وضع کیے گئے جن کی تائید قرآن سے نہیں ہو سکتی تھی۔

صرف اہل سنت ہی اس مرض کا شکار نہیں ہوئے تھے بلکہ امامیہ میں بھی یہ وبا پھوٹی اور صدیوں تک اسلامی اصول و عقائد کو گھن کی طرح کھاتی رہی۔ تحریف قرآن پہ روایات تیار ہوئیں۔ صرف عقائد پر جنتیں بانٹی گئیں۔ قرآن کو اس بنا پر غلط قرار دیا گیا کہ اس میں اہل بیت کے نام درج نہ تھے۔ ملت اسلامیہ میں پھوٹ ڈالی گئی۔ اعمال کو دائرہ

اسلام ہی سے خارج کر دیا گیا۔ اور اس طرح اسلام کا حُلیہ ہی مسخ کر دیا گیا۔

راویانِ امامیہ

امامیہ کے جو راوی جھوٹی روایات وضع کیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مختار بن ابی عبیدہ کی نسبت حضرت امام جعفرؑ کا ارشاد ہے۔

کان المختار یکذب علیٰ علیّ بن الحسین علیہما السلام (رجال کشی ص۸۳)

(کہ مختار امام زین العابدینؑ پہ جھوٹ باندھا کرتا تھا)

۲۔ الحکم بن عُتیبہ کے متعلق زرارہ بن اعین بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ حکم بن عتیبہ نے آپ کے والد ماجد سے یہ روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نمازِ مغرب مزدلفہ سے وَرے پڑھ لے۔ اس پر امام صادقؑ نے تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ

ما قال ابی ھذا قط کذب الحکم بن عتیبہ علیٰ ابی علیہ السلام (رجال کشی ص۱۳۷)

(کہ میرے والد نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ حکم بن عتیبہ نے اُن پہ جھوٹ باندھا ہے) اور زرارہ آپ کے ہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلا۔ ما اری الحکم کذب علیٰ ابیہ (میرے خیال میں حکم نے امام

صادق کے والد پہ جھوٹ نہیں باندھا)

۳۔ مغیرہ بن سعید کی نسبت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے۔

کان المختار یکذب علی علی بن الحسین علیہما السلام وکان المغیرۃ بن سعید یکذب علیّ۔

(رجال کشی صـ۱۴۸)

(کہ مختار حضرت زین العابدین پر اور مغیرہ بن سعید میرے والد محترم پر جھوٹ باندھا کرتا تھا)

۴۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ......

(کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن پر اترتے ہیں)

اور اس کے بعد ان سات راویوں کے نام لئے۔ مغیرہ بن سعید، بنان، اصائد ہندی جسرث شامی۔ عبداللہ بن الحرث، حمزہ بن عمارہ الزیدی اور ابوالخطاب

(رجال کشی صـ۱۸۷)

۵۔ محمد بن فرات کے متعلق امام ابوالحسن رضا علیہ السلام فرماتے ہیں

والذی یکذب علیّ محمد بن فرات

(محمد بن فرات وہ شخص ہے جو مجھ پہ جھوٹ باندھتا ہے)

۶۔ دہقان کی نسبت محمد بن موسیٰ ہمدانی کہتے ہیں

عروہ بن یحییٰ البغدادی المعروف بالدھقان
لعنہ اللہ کان یکذب علی ابی الحسن علی بن محمد
رضا وعلی ابی محمد الحسن بن علی علیہما السلام
بعدہٗ۔ (رجال کشی ص۳۵۳)

(خدا عروہ بن یحییٰ البغدادی دہقان پہ لعنت کرے۔ یہ شخص ابوالحسن علی بن محمد رضا اور آپ کے بعد ابو محمد الحسن بن علی علیہما السلام پہ جھوٹ باندھتا تھا)

۷۔ زُرارہ بن اعین اور ابوبصیر اہم رُواتِ حدیث میں سے ہیں۔ ابوبصیر نے تحریفِ قرآن پر کثرت سے روایت کی ہے۔ ان دونوں کے متعلق ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:۔

درباب جماعتے وارد شدہ است کہ اجماع صحابہ بر ضلالتِ ایشاں شدہ است مثلِ زرارہ و ابوالبصیر۔

(حق الیقین ص۶۵۷)

(ایک جماعت کے بارے میں مذکور ہے کہ صحابہ اُن کی گمراہی پہ متفق تھے مثلاً زرارہ اور ابوالبصیر۔)

اصولِ کافی (ص۵۵۶) میں درج ہے کہ زرارہ امامِ وقت کا احترام نہیں کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت امام باقرؒ سے علمی بحث کرنے کے بعد باہر آیا تو کہنے

لگا شیخٌ لا علم له بالخصومة۔ اس کا ترجمہ خلیل قزوینی شارحِ کافی نے یوں کیا ہے۔ "این پیر بے دماغ شدہ نمی داند روشِ گفتگو با خصم" کہ یہ بوڑھا بے دماغ ہو گیا ہے۔ علمی بحث کا طریقہ ہی نہیں جانتا۔" یہی حال ابو بصیر کا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت امام جعفرؒ سے ملنے گیا۔ اجازت نہ ملی تو کہنے لگا۔

لو کان معنا طبق لاذن فجاء کلب فشغر فی وجه ابی بصیر۔

(تنقیح ص۱۶۷ بحوالہ رجال کشی)

(کہ اگر ہمارے پاس لذیذ کھانوں کا طبق ہوتا تو یقیناً اجازت مل جاتی۔ اس کے بعد ایک کتا آیا اور ابو بصیر کے منہ میں موت گیا)

کہاں تک لکھوں۔ یہ بحث بہت طویل ہے اور لمبی فرصت چاہتی ہے۔ ان راویوں کی نوازش سے احادیث امامیہ میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا اور صحیح و غلط کی تمیز دشوار ہو گئی۔ چنانچہ رئیس المحدثین شیخ الطائفہ کو کہنا پڑا۔

ذاکرنی بعض الاصدقاء ...... باحادیث اصحابنا ایدهم الله ورحم السلف منهم وما وقع فیها من الاختلاف والتباین والمنافاة والتضاد

حتی لا یکاد تیفق حبز الا وبازائہ ما یضادہ

...... الخ (دیباچہ تہذیب الاحکام)

(ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ ہمارے اصحاب (اللہ اُن کا دستگیر ہے اور اُن کے اسلاف پر رحم کرے) کی احادیث میں اس قدر اختلاف، تباین۔ تصادم اور تضاد پایا جاتا ہے کہ ہر حدیث کے مقابلہ میں ایسی حدیث موجود ہے۔ جو اُس کے الٹ ہو ......)

سید دلدار علی اس کی یوں تائید کرتے ہیں۔

الاحادیث الماثورۃ من الائمۃ مختلفۃ جداً لا یکاد یوجد حدیث الا وفی مقابلتہ ما ینافیہ ......

(اساس الاصول)

(ہمارے اماموں کی احادیث میں اس قدر اختلاف ہے کہ کوئی حدیث لیجئے۔ اس کے مقابلہ میں اُس کے اُلٹ بھی مل جائے گی)

درست فرمایا تھا حضرت امام جعفر صادقؑ نے

اِن الناس اولعوا بالکذب علینا (کشی)

(کہ لوگ رہ رہ کر ہم پہ جھوٹ باندھتے ہیں)

اور بجا کہا تھا حضرت سلمان فارسیؓ نے کہ لوگ قرآن کے مواخذہ اور

محاسبہ والے اسلام سے گھبرا کر حدیث کی دُنیا میں جا گھسے۔ جہاں اس قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی۔

سلمان بہ مردم گفت کہ گریختید از قرآن بسوئے حدیث زیرا کہ قرآن را کتاب رقیبے یافتید۔ دراں جا شمار احساب می نمائید بر نقیر و قطمیر و فتیل یعنی ہر امر خوردہ ریزہ بر قدر دانہ خردے پس تنگی کرد بر شما احکام قرآن۔ پس گریختید بسوئے احادیثے کہ کار را بر شما کشادہ و آسان کردہ است۔

(حیات القلوب ج ۲ ص ٦١٠)

(حضرت سلمانؓ نے لوگوں کو کہا کہ تم قرآن کو چھوڑ کر حدیث کی طرف اس لیے بھاگ گئے ہو کہ قرآن چھوٹے سے چھوٹے عمل پر بھی محاسبہ کرتا تھا۔ تمہیں اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ تم حدیث کی طرف بھاگ گئے۔ جہاں تمہاری راہیں کشادہ اور معاملات آسان ہو گئے ہیں)۔

اہمیتِ حدیث و معیارِ صحت

حدیث دورِ ائمہ و رسول کی تاریخ، اور اُن کے اعمال و سیرت کی بیش بہا بیاض (ڈائری) ہے۔ قرآن کی سینکڑوں آیات حدیث کی روشنی میں حل ہوتی ہیں۔ بیسیوں احکام ہیں جن کی وہاں عملی تشریح

ملی ہے۔ درجنوں اسرارِ دین و شریعت ہیں جو وہاں کھلتے ہیں۔ اس لیے ہم اِس ذخیرے کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ لیکن یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لاکھوں متضاد و متصادم احادیث میں سے کس کو صحیح اور کس کو غلط سمجھیں اور ان سے کیسے فائدہ اٹھائیں

اس کا جواب حضرت امام جعفر صادقؑ نے نہایت عمدہ دیا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ مردود الى الكتاب السُّنَّةِ وكل حديث لايوافق الكتاب فهو زخرف

(اصولِ کافی۔ کتاب العقل۔ جزو اول ص۱۴۳)

(ہر بات کو قرآن و سنّت سے پرکھو۔ اور جو حدیث قرآن کے مطابق نہ ہو۔ اُسے باطل سمجھو۔)

اسی کتاب کے اسی صفحے پر مذکور ہے

خطب النّبی صلعم فقال۔ ایُّها الناس ماجاءکم عن یوافق کتاب الله فانا قلته، وماجاءکم یخالفُ کتاب الله فلم اقلهُ

(حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اگر میری کوئی حدیث تمہارے پاس پہنچے اور وہ قرآن کے مطابق ہو تو اُسے میرا قول سمجھو اور اگر مخالف ہو تو مسترد کردو)

اور تمام علمائے سنت کا عقیدہ یہی ہے۔ اس معیار کے مطابق دونوں گروہوں کے ہاں لاکھوں صحیح احادیث موجود ہیں جنھیں صحت مند ذہن قبول کرتے ہیں۔ جو دنیا کے مسلمہ اخلاقی، روحانی اور تاریخی معیارات کے مطابق ہیں جنھیں پڑھ کر دماغ کو دھچکا نہیں لگتا جن سے انسان پرستی، صنم پرستی، دنیا پرستی اور شرک کی بُو نہیں آتی، جو انسان کو محنت عمل، جدوجہد، قربانی اور پاکیزگی خیالات وکردار کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ اور جو بندوں کو اللہ تک پہنچنے کی راہیں بتاتی ہیں۔ ایسی احادیث سے دونوں فرقوں کی کتابیں لبریز ہیں۔ نمونۃً دو چار ملاحظہ ہوں۔

احادیث اہل سنت

۱۔ الحیاءُ شعبۃٌ من الایمان

حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے (بخاری)

۲۔ لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (بخاری)

کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ نہ چاہے۔ جو اپنے لیے چاہتا ہے)

۳۔ آیۃُ المنافق ثلاثٌ اذا حدّث کذب واذا وعدَ اخلف واذا ائتمن خان (بخاری)

(منافق کی علامات تین ہیں۔ جب وہ باتیں کرتا ہے تو جھوٹ بولتا

ہے۔ وعدہ کرتا ہے تو توڑ ڈالتا ہے۔ اور اس کے پاس کوئی امانت رکھی
جائے تو خیانت کرتا ہے)

احادیث امامیہ

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

۱۔ الزھادۃ قصر الامل والشکر عند النعم والورع عند المحارم۔

(نہج البلاغہ)

(تقویٰ کیا ہے؟ لمبی امیدیں نہ باندھنا۔ نعمتوں پر شکر ادا کرنا اور محارم (جو باتیں حرام و ممنوع ہیں) سے دور رہنا)

۲۔ فاتقوا اللہ[1] تقیۃ من سمع فخشع واقترف فاعترف ووجل فعمل وحاذر فبادر، وایقن فاحسن وعبر فاعتبر، وزجر فازدجر، واجاب فاناب وراجع فتاب ...... (نہج البلاغہ)

(امیر علیہ السلام فرماتے ہیں تم اللہ سے اُس شخص کی طرح ڈرو جس نے بات سُنی اور جھک گیا۔ گناہ کیا اور پچھتا گیا، ڈر گیا اور نیک بن گیا

---

[1] فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی لاجواب خطبہ ہے (برق)

خائف ہو کر اللہ کی طرف بڑھا اور ایمان لایا۔ اور صالحات کو اپنایا واقعات پہ چشمِ عبرت ڈالی اور عبرت لی۔ ڈرایا گیا اور ڈر گیا۔ فرض کی پکار کا جواب دیا۔ اللہ کی طرف لوٹا اور تائب ہوا........)

اور اس قسم کے جواہر پاروں سے احادیثِ امامیہ لبریز ہیں۔

سچّائی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی

دنیا میں ان گنت صداقتیں بکھری پڑی ہیں مثلاً

"خدا ایک ہے، سورج روشنی دیتا ہے۔ علم انسان کو بلند کرتا ہے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ نیکی سے مسرت ملتی ہے۔ گناہ دکھ پہنچاتا ہے لالچ بری بلا ہے، جھوٹ، وعدہ شکنی اور چوری سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔"

وقس علی ہذا۔ یہ صداقتیں کسی ایک قوم کے قبضے میں نہیں ہیں۔ تمام انسان ان کے مالک ہیں۔ اگر خدا موجود ہے تو وہ میرا بھی ہے۔ ہندو اور عیسائی کا بھی۔ اسی طرح ریاضی کے حقائق، طبیعیاتی صداقتیں، نیز روحانی اور اخلاقی سچائیاں سب کی مشترک جائداد ہیں۔ ہمارے انبیاء و ائمہ کے منہ سے اس طرح کی لاکھوں صداقتیں ابرِ رحمت کی طرح برسیں، جن میں سے کچھ اہلِ سنت کی احادیث میں محفوظ ہیں اور کچھ امامیہ کی کتابوں میں۔ ان صداقتوں پر کسی ایک فرقے کا اجارہ نہیں، بلکہ یہ جہاں گیر سچائیاں ہیں۔ جو

نہ صرف امامیہ و اہل سنت بلکہ تمام انسانوں کا
مشترک ورثہ
ہیں

باب چہارم

خلافت و امامت

پچھلے باب میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ کچھ تو ہماری اپنی "مہربانیوں" اور کچھ اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں سے ہمارا ذخیرۂ احادیث از بس مسخ ہو چکا تھا۔ جس سے ہمارے عقائد میں خلل واقع ہو گیا۔ گروہ کے گروہ بعض احادیث پہ اڑ بیٹھے اور باقی ماندہ ان کی تردید پہ لگ گئے۔ ان کلامی مسائل نے جمعیت ملت کا شیرازہ بکھیر دیا اور اس کی سطوت و ہیبت کا جنازہ نکال دیا۔ باقی اقوام کے اچھے دماغ تہذیب و تمدن کی پیش رفت میں مصروف تھے۔ ریاضی، معاشیات، تاریخ، سیاست، فلسفہ، جغرافیہ، طبقات الارض اور عناصر پر کتابیں لکھ رہے تھے۔ ہواؤں اور فضاؤں کو مسخر کرنے کے وسائل ڈھونڈھ رہے تھے۔ سرکش سمندروں کو پامال کرنے کے ڈھنگ دریافت

کر رہے تھے۔ پہاڑوں کو اُلٹ کر اور زمین کا سینہ چیر کر ان سے خزائنِ قوت وہیبت نکال رہے تھے۔ اور دوسری طرف ہمارے "عمدہ دماغ" خلافت وامامت کی گتھیاں سلجھا رہے تھے۔ اس مسئلہ پر انبار در انبار کتابیں لکھ رہے تھے۔ اور ایک دوسرے کو دائرہ اسلام سے باہر دھکیلنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ یہ چودہ سو سال کا جھگڑا اگر کسی منزل پر ختم ہو جاتا تو ہم اللہ کا شکر بجا لاتے۔ لیکن ہماری بدبختی کا سلسلہ اتنا دراز ہے۔ اور اِس بدقسمت قوم میں صحیح خطوط پر سوچنے والوں اور اتحاد و محبت کا درس دینے والوں کا اس قدر فقدان ہے کہ معاملہ سلجھنے ہی میں نہیں آتا۔

پروپیگنڈہ بڑا خوفناک حربہ ہے۔ اس سے بعض تصورات ذہن میں اس قدر راسخ ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح نہیں نکل سکتے۔ عصرِ حاضر میں اشتراکیانِ روس ایک طرف ہیں۔ اور مستعمرانِ برطانیہ و امریکہ دوسری طرف۔ ان ممالک میں اچھے اور بُرے افراد کا تناسب یکساں ہی ہوگا۔ لیکن پراپیگنڈے نے ذہنیتوں کو اس قدر مسخ کر رکھا ہے کہ جونہی کسی انگریز یا امریکی کے سامنے کسی اشتراکی کا نام لیا جاتا ہے تو وہ ایک بپھرے ہوئے سانپ کی طرح بل کھانے لگتا ہے۔ یہی حال ہمارا ہے۔ ایک دوسرے سے نفرت ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ پھر والدین کی تلقین، احبابِ اقارب

کے عقائد اور واعظین کی جذباتی غیر علمی اور اشتعال انگیز تقاریر نے اس میں مزید اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ خلافت، امامت، صحابہ اور دیگر مسائل کے متعلق ہمارے عقائد اس قدر سخت ہو گئے ہیں کہ پہاڑ اپنے مقامات سے ہل سکتے ہیں۔ لیکن ان عقائد کو جنبش دینا ممکن نہیں۔ بات یہیں تک ہوتی تو شاید کوئی بات بن جاتی۔ لیکن یہاں ایک اور بھی مشکل ہے اور بہت بڑی مشکل۔ کہ دونوں گروہ بے حد حساس اور زود رنج واقع ہوئے ہیں۔ کوئی بات خلاف عقائد آجائے خواہ وہ کتنی ہی وزنی اور مدلل کیوں نہ ہو تو قائل کے خلاف ایک ہنگامہ بپا ہو جاتا ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ہماری احادیث کئی سو برس تک لوگوں کی زبانوں پر گھومتی رہیں۔ ان میں خوفناک تبدیلیاں ہوئیں۔ مختلف فرقوں نے اپنے عقائد کے مطابق لاکھوں روایات تراشیں اور اعدائے اسلام نے قرآن کا اعتبار اور ہمارا وقار ختم کرنے کے لیے وہ وہ روایات وضع کیں کہ الامان والحذر۔ ظاہر ہے کہ ان تراشیدہ وگوش بریدہ روایات کی بنا پر ہم کسی بات کے صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے **قرآنِ عظیم** وہ واحد **میزان** اور تنہا **فرقان** ہے جو ہمارے اختلافات پہ حَکَم بن سکتا ہے۔ درست کہا تھا امامیہ کے ایک فاضل علامہ محمد سبطین نے:

"اسلام کے بے شمار فرقوں کا اختلاف، جو ایک دوسرے کی تکفیر

کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ اس کا ایک بہت بڑا سبب یہی موضوع ومجعول (جعلی وفرضی) احادیث ہیں۔ ایسی حالت میں محض احادیث سے کسی مطلب کا اثبات اور اس پہ استدلال لانا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ نہیں بلکہ محال اور ناممکن ہی ہے....... اس لیے ضروری ولازمی ہے کہ ہم اثبات مدعا کے لیے براہینِ قطعیہ، مستقلات عقلیہ نظریاتِ مسلّمہ کے ساتھ صرف کتاب اللہ سے استدلال کریں۔ کیونکہ یہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔"

(خلافتِ الٰہیہ۔ طبع ۱۳۳۳ھ، ص ۳)

اگر یہ درست ہے کہ قرآن حکیم ایک مکمل کتاب ہے جس کی تعلیمات ہماری رہبری۔ فلاح، مسرت، کامرانی اور دنیوی و اخروی سعادت کی ضامن ہیں۔ تو پھر ہم اُن عقائد پر کیوں زور دیں جن کا ماخذ حدیث ہے حدیث کا جو حال ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ قرآن کی رو سے اسلام مجموعہ ہے چند عقائد و اعمال کا۔ اعمال کے متعلق امامیہ و اہلِ سُنت میں کوئی اختلافات موجود نہیں۔ جھگڑا صرف عقائد کا ہے۔ قرآن نے جن عقائد کو ضروری قرار دیا ہے۔ اُن کی فہرست یہ ہے۔

ا۔ توحید وصفات

۲۔ رسالت و ختمِ نبوت

۳۔ ملائکہ

۴۔ آخرت

۵۔ پہلے انبیاء، اور اُن کے صحائف

۶۔ قرآن

قُرآن کے طول و عرض میں حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام کی خلافتِ بلا فصل اور ائمہ اطیار رحمت اللہ علیہم کی امامت کا کہیں ذکر نہیں۔ رہا اِن بزرگوں کا احترام تو وہ ہمارے ایمان کا حصّہ ہے۔ اس لیے کہ حضور پُرنور صلعم نے آلِ رسولؐ پر صلوٰۃ و سلام کو ہماری نمازوں کا جزُ و بنا دیا تھا۔

سلامٌ علیٰ محمدٍ و علیٰ آلِ محمدٍ

خلافتِ امیر المومنینؑ

کتبِ امامیہ میں یوں درج ہے کہ جب حضور صلعم آخری حج سے لوٹے اور ایک مقام "غدیرِ خم" پہ پہنچے تو وہاں آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کے دوران میں حاضرین سے دریافت کیا۔

الست اولیٰ بکم من انفسکم

(کیا تم مجھے اپنی جانوں سے زیادہ محبوب نہیں سمجھتے؟)

قالوا بلیٰ

(رب نے بل کر کہا۔ یقیناً آپ ہمارے محبوب ہیں)

پھر ارشاد ہوا

فمن کنت مولاہُ فعلیٌّ مولاہ اللّٰھمّ وال
من والاہُ وعادِ من عاداہ

(میں جس کا مولیٰ ہوں۔ علی بھی اُس کا مولیٰ ہے۔ اے اللہ جو علی سے محبت کرے اُس سے محبت کر۔ اور جو اُس سے عداوت کرے تو اُس سے عداوت کر)

بس یہ ہے وہ حدیث جس کی بنا پر یہ دونوں فرقے چودہ سو برس سے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہیں۔ یہاں اختلاف صرف ایک لفظ "مولیٰ" کی تشریح پر ہے۔ لغت میں اس کے یہ معانی دیئے ہوئے ہیں۔

۱۔ مالک ۲۔ سردار ۳۔ غلام ۴۔ غلام آزاد کرنے والا ۵۔ آزاد شدہ غلام ۶۔ انعام دینے والا ۷۔ انعام لینے والا ۸۔ محبت کرنے والا۔ ۹۔ ساتھی ۱۰۔ حلیف ۱۱۔ ہمسایہ ۱۲۔ مہمان ۱۳۔ حصّہ دار۔ شریک ۱۴۔ بیٹا۔ ۱۵۔ چچے کا بیٹا ۱۶۔ بھانجا ۱۷۔ چچا ۱۸۔ داماد۔ ۱۹۔ قریبی۔ ۲۰۔ تابع۔

(قاموس۔ المنجد)

امامیہ کہتے ہیں کہ یہاں اس کے معنی "مالک" "سردار" یعنی خلیفہ ہیں۔ اور اہل سنت اس سے "دوست اور محبوب" مراد لیتے ہیں۔

اگر امامیہ کی تشریح کو درست سمجھا جائے تو پھر خلفائے ثلاثہ پہ مندرجہ ذیل الزامات عائد ہوتے ہیں۔

۱۔ کہ انھوں نے ارشادِ رسولؐ کی خلاف ورزی کی اور معصیتِ رسولؐ کفر ہے۔

۲۔ کہ انھوں نے امیر المومنینؑ کا حق غصب کیا اور غاصب ظالم ہوتا ہے۔

اور امیر المومنینؑ کے متعلق مندرجہ ذیل شکوک پیدا ہوتے ہیں۔

۱ ۱۔ کہ آپ نے ان غاصب و ظالم خلفا کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی؟

۲۔ پورے پچیس برس تک ان کے معاون و مشیر کیوں رہے؟

۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح اِن کے خلاف کیوں جہاد نہیں کیا؟

علمائے امامیہ نے بیعت امیر المومنینؑ کی دو تاویلات پیش کی ہیں۔ مثلاً

اول۔ کہ حضور صلعم نے وقتِ رحلت حضرت امیرؑ کو بتادیا تھا کہ خلفائے ثلاثہ خلافت کو غصب کرلیں گے۔ اور ہدایت فرمائی تھی کہ تمام مصائب پر صبر سے کام لیں۔ یہاں تک کہ مسلمان خود اُن کی طرف رجوع کریں۔

(ازالۃ الغین و دیگر کتب)

دوم۔ کہ بعض صحابہ حضرت امیرؑ کی گردن میں رسّی ڈال کر لے گئے تھے

اور انھوں نے بہ جبر و اکراہ بیعت کی تھی۔

(حیات القلوب و دیگر کتب)

ان تاویلات پر غور کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت امیر المومنینؑ کی سیرت و کردار پر تھوڑی روشنی ڈالیں۔ اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ حضرتِ امیرؑ اپنی شجاعت و بسالت کی وجہ سے شیرِ خدا کے نام سے مشہور تھے۔ جانسپاری و سرفروشی میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ عربوں کی دیرینہ روایات کے مطابق

الموتُ اَحلیٰ عندنا من العسلِ

موت کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے تھے۔ ان کی موت و حیات اور باقی سب کچھ اللہ کی خاطر تھا۔ جب اسلام پہ کوئی مصیبت آن پڑتی تھی تو پھر وہ کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اور ذوالفقار کھینچ کر مجاہدانہ میدان میں اتر آتے تھے۔ جب شہادتِ عثمانؓ کے بعد امیر معاویہؓ نے علمِ بغاوت بلند کیا تو آپ نے تمام مصلحتوں اور مصالحتوں کو ایک طرف رکھ کر جریر بن عبداللہ البجلی کو لکھا۔

اما بعد فاذا اتاك کتابی فاحمل معاویۃ علی الفصل وخذہ بالامر الجزم ثم خیّرہ بین مجلیۃ او سلم مخزیۃ فان اختار الحرب فانبذ الیہ

وان اختار السلم فخذ بیعتہ۔

(نہج البلاغۃ مرتبہ رئیس احمد جعفری

ج ۱۔ ص ۴۳)

(بعد از حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ جونہی میرا مکتوب تمہیں ملے۔ معاویہ کو دو ٹوک فیصلے پہ مجبور کرو۔ اُسے اختیار دو کہ تباہ کن جنگ اور رُسوا کن صلح میں سے جو چاہے پسند کرے۔ اگر وہ مائل بہ جنگ ہو تو فوراً چیلنج قبول کرو اور اگر صلح کرنا چاہے تو اُس سے بیعت لے لو)

معاویہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

فانا ابو حسنٍ قاتل جدّک وخالک واخیک یومَ بدرٍ وذالک السیفُ معی۔ قد احریت الی غایۃ خُسرٍ ومحلۃ کُفر وان نفسک قد اولجتک شرّاً واقحمتک غیّاً۔

(نہج البلاغۃ۔ ج ۱۔ ص ۴۶)

(میں وہی علی ہوں جس نے تیرے دادا ، ماموں اور بھائی کو بدر کے دن موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور وہ تلوار ابھی تک میرے پاس ہے تجھی نے تباہی۔ زیاں کاری اور کفر کا رُخ کر لیا ہے۔ اور تیرے نفس نے تجھے شرارت و گمراہی میں دھکیل دیا ہے)

احظ فرمایا آپ نے کہ امیر المومنین معاملاتِ دینی و ملّی میں کس قدر دلیر بے باک اور سخت گیر واقع ہوئے تھے۔

بعض غداروں کے متعلق فرماتے ہیں

فواللہ لولا طمعی عند لقائی عدوّی فی الشہادۃ وتوطینی نفسی علی المنیّۃ لاحببت ان لا ابقی مع ھؤلاءِ یوماً واحداً

(نہج البلاغۃ ج ۱۔ ص۹۶)

(خدا کی قسم اگر مجھے موت سے محبت اور یہ آرزو نہ ہوتی کہ میدانِ قتال میں دشمنانِ اسلام سے لڑ کر شہادت حاصل کروں تو میں ان غداروں کے ساتھ ایک دن بھی نہ رہتا۔)

پنے بھائی عقیل بن طالب کو لکھتے ہیں۔

واَمّا ما سألت من رأیی فی القتال فانّ رأیی قتالُ المحلّین حتی القی اللہ لا یزیدنی کثرۃ النّاس حولی عزّۃً ولا تفرّقھم عنّی وحشۃ.

(نہج البلاغت ج ۱۔ ص۹۹)

(آپ پوچھتے ہیں کہ لڑائی کے متعلق میری کیا رائے ہے؟ میں ان گمراہوں سے زندگی بھر لڑوں گا۔ یہاں تک کہ دربارِ الٰہی میں پہنچ

جاؤں۔ لوگ میرے گرد جمع ہو جائیں تو اس سے میری قوت و عزت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کے بکھر جانے سے مجھ پہ خوف و دہشت طاری ہوتی ہے)

نہ صرف ان اقتباسات بلکہ امیر المومنینؑ کے تمام خطبات و مکتوبات سے بل کا ایمان، شجاعت، سرفروشی اور مبارزہ طلبی مترشح ہوتی ہے۔ اس لیے آپ کے متعلق یہ کہنا کہ آپ نے جان کے خوف سے "باغیانِ رسول" کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ درست معلوم نہیں ہوتا۔

اور وہ دوسری روایت کہ حضور صلعم نے آپ کو غصبِ خلافت اور استیصالِ اسلام پہ صبر کی ہدایت فرمائی تھی۔ واقعات کی روشنی میں درست معلوم نہیں ہوتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ چند روز پہلے حضور پُر نورؐ ارشادِ خداوندی کی تعمیل میں ولایتِ علی کا اعلان فرمائیں اور چند روز بعد امیر المومنین کو اطلاع دیں کہ مسندِ خلافت پہ تو فلاں فلاں قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے آپ صبر سے کام لیں۔ اگر امام و نائبِ رسول کا تقرر واقعی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے تو پھر اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر کو خلیفہ مقرر کریں۔ حضور صلعم ہزارہا کے مجمع میں اعلان فرمائیں اور مسند سنبھال لیں ابوبکر و عمر۔ کیا اللہ میں اپنا فیصلہ نافذ کرنے کی ہمت نہ تھی۔

اور اس سے زیادہ حیرت افزا بات یہ ہے کہ صدیقؓ و فاروقؓ نے ارشادِ

رسولؐ کی علی الاعلان توہین کی اور بایں ہمہ چار لاکھ صحابہ نے (باستثنائے چند) ابوبکرؓ کے ہاتھ پر کسی احتجاج کے بغیر بیعت کر لی۔ ان میں خاندانِ رسالت کے دہ افراد اور وہ بارہ ہزار صحابہ بھی شامل تھے جو محبانِ اہلبیت سمجھے جاتے تھے یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے کہ تین چار صحابہ کے سوا باقی سب کے سب اسلام چھوڑ گئے تھے۔ کیا یہ تمام لوگ ابوبکرؓ و عمرؓ کی خاطر مسلمان ہوئے تھے۔ کیا ان کے تمام غزوات، ان کی قربانیاں اور جانسپاریاں ابوبکرؓ کو خلافت دلانے کے لیے تھیں؟ کیا اللہ نے جو ان صحابہ کے متعلق کہا تھا کہ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (قرآن) کہ "یہ سب اللہ کی خوشنودی و رضا کے طالب ہیں"۔ (خاکم بدہن) غلط بیانی تھی؟ مسندِ رسول پہ "ظالم و غاصب" قابض ہو جائیں۔ قرآن کا حلیہ بگاڑیں۔ اہلبیت سے خلافت اور وراثت دونوں چھین لیں۔ رسول کی لختِ جگر، خواتین جنت کی سردار، حسین و حسن کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو آگ میں جلانے کا انتظام کریں۔ انھیں ماریں پیٹیں اور کسی مسلمان کی غیرت میں ذرا سی جنبش بھی پیدا نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ان تمام امور میں سے ایک بات بھی ہوتی تو خود امیر المومنینؑ ذوالفقار لے کر میدان میں اتر آتے۔ اور مدینہ کو کربلا میں بدل ڈالتے اور امیر المومنینؑ کو اللہ تعالےٰ نے اس قدر بہادر پیدا کیا تھا کہ وہ

تنہا ایک لشکر پہ بھاری تھے۔ اس سلسلہ میں چند واقعات سنیئے۔

امامیہ کے ایک مجتہد ملا باقر لکھتے ہیں کہ جب شبِ ہجرت کی صبح اطلاع ہوئی اور کفار نے دیکھا کہ فرشِ رسولؐ پہ علیؑ سو رہے ہیں تو ان سب نے تلواریں سونت لیں اور علیؑ پہ چڑھ دوڑے۔ خالد بن ولید ان کے آگے آگے تھا۔ یہ دیکھ کر شیرِ خدا اپنی جگہ سے اٹھے۔ آگے بڑھے۔ خالد کو پکڑ کر اُس کے ہاتھ کو یوں مروڑا کہ وہ اونٹ کی طرح بلبلا اٹھا۔ اُس سے تلوار چھین لی۔ پھر کفار کی طرف لپکے اور وہ سب بھاگ نکلے۔

(حیات القلوب ص۳۰۹)

کتاب الخرائج والجرائح طبع بمبئی کے ص۲ پر درج ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ کے ایک باغ میں علیؑ و عمرؓ اکٹھے ہو گئے اور کسی بات پہ جھگڑا ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی کمان زمین پہ پھینک دی اور وہ اژدھا بن گئی۔ اس پر عمرؓ نے رو رو کر معافی مانگی۔ اور آپ نے معاف فرما دیا۔

اِن حکایات سے واضح ہے

۱۔ کہ امیر المومنینؑ کے نام ہی سے خلفائے ثلاثہ اور دیگر صحابہ کا دم نکل جاتا تھا۔

۲۔ کہ آپ کے سامنے پوری فوج نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

۳۔ کہ آپ کی کمان اژدھا بن سکتی تھی۔

۴۔ کہ آپ کے ساتھ بارہ ہزار صحابہ بھی تھے۔

تو پھر ہم یہ کیسے باور کرلیں کہ صرف دو آدمیوں یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ نے اہلِ بیت پہ مظالم توڑے، قرآن کو بگاڑا۔ گردن میں رسّی ڈال کر آپ کو بیعت کے لیے گھسیٹا۔ اور آپ یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ آخر وہ کون سا مقصد تھا جس کے لیے امیر المومنینؑ صبر و تحمل کا یہ مظاہرہ فرما رہے تھے۔ اگر یہ حکم خدائی صبر و رضا سے تھا تو پھر ہم محبانِ علیؓ کا بھی فرض ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کے "مظالم" پہ لبِ شکایت نہ کھولیں۔ اور اگر اللہ کی مرضی اور رسولؐ کی منشا کے خلاف تھا اور بایں ہمہ حضرت امیرؑ اور لاکھوں مسلمان چپ چاپ تماشا دیکھتے رہے تو پھر اللہ ان راویوں پہ رحم کرے جنھوں نے یہ دلچسپ روایات وضع کیں۔

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اُس زمانے میں خلیفہ کے پاس نہ تو آج کی طرح پولیس کا محکمہ تھا۔ نہ باقاعدہ فوج اور نہ کوئی اردلی اور چپڑاسی۔ کسی مجرم کو سزا دینا ہوتی تھی تو خلیفہ خود ہی تکلیف کیا کرتے تھے۔ کسی علاقے پر چڑھائی کی ضرورت پیش آتی تھی تو گلیوں میں منادی کرادی جاتی تھی اور ہر گھر سے جانبازانِ اسلام اسلحہ سنبھالے مسجد میں جمع ہو جاتے تھے حضرت عثمانؓ کی شہادت تک یہی صورت حال رہی۔ اگر مدینہ میں کوئی فوج یا پولیس ہوتی تو مصر و کوفہ کے چند آدمی خلیفہ سوم کو یوں دن دہاڑے شہید نہ کرسکتے

اِن حالات میں حضرتِ امیرؑ کا ڈر کر ایک غاصب، ظالم اور باغیٔ رسول کے ہاتھ پہ بیعت کر لینا، بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ مقابلہ صرف دو آدمیوں سے تھا۔ ان میں سے ابوبکرؓ اکسٹھ برس کے بوڑھے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی عمر پچاس سال تھی۔ اور دوسری طرف حضرتِ امیرؑ تینتیس برس کے جوان تھے۔ اور جسمانی طاقت کا یہ عالم کہ کندھے کی ایک ٹکّر سے خیبر کا سنگین دروازہ پاش پاش کر ڈالا تھا۔ اور خیبر کے اُس پہلوان (مرحب بن عنتر) کو جس کی ہیبت سے سارا عرب کانپتا تھا ایک وار سے ازسرتا سینہ چیر دیا تھا۔ کیا ابوبکرؓ میں یہ ہمت تھی کہ وہ اسلام کے اس خیبر شکن رستم کے سامنے آتا؟ یا عمرؓ میں یہ جرأت تھی کہ اللہ کے اِس دہاڑتے ہوئے شیر کے گلے میں رسّی ڈالتا؟

آپ جانتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے چند شرائط پہ صلح کر کے خلافت ان کے حوالے کر دی تھی۔ ایک شرط یہ تھی کہ معاویہ کی وفات کے بعد خلیفہ کا انتخاب "شوریٰ" (مشورہ، ووٹ) سے ہوگا۔ معاویہ نے بدعہدی کی اور اپنے بیٹے یزید کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنا دیا۔ شہید اعظم حضرت امام حسین علیہ السلام کی غیرتِ ایمانی اس بدعہدی کو گوارا نہ کر سکی اور سارا خاندان کربلا میں کٹا دیا۔ یہاں ایک انسان نے ایک انسانی معاہدہ کو توڑا تھا اور دوسری طرف ابوبکرؓ نے خدا اور رسولؐ کے فیصلے کی

توہین کی تھی تو کیا یہ بات تصوّر میں آ سکتی ہے کہ اس موقعہ پر اسلام کا سب سے بڑا جانباز اور غیوّر فرزند محض تماشائی بنا رہا۔

یہ تمام روایات از سرتاپا واقعات کے خلاف ہیں اور حیرت اس امر پر ہے کہ ہم چودہ سو برس سے ان روایات کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اور نتائج و عواقب پر درس طلب ڈالنے کی تکلیف ہی نہیں کرتے۔

بیعتِ علیؑ کی صحیح کہانی

صحیح واقعہ یہ ہے کہ رحلتِ حضورؐ کے بعد حضرت امیر المومنینؑ بھی خلافت کے امید واروں میں سے تھے۔ ابھی حضورؐ کا جنازہ مبارک رکھا ہی تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار انتخابِ خلیفہ کے لیے جمع ہو گئے۔ یہ خبر ابو بکرؓ تک پہنچی تو اس خیال سے کہ جو خلیفہ صرف انصار منتخب کریں گے۔ شاید اُس پہ ساری قوم متفق نہ ہو اور پھوٹ پڑ جائے۔ آپ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن جرّاحؓ کو ہمراہ لے کر سقیفہ میں پہنچے۔ وہاں بڑے بڑے انصار جمع تھے۔ اُن کے سامنے اِن تینوں بزرگوں نے تقریریں کیں۔ رنگِ محفل بدل گیا۔ حضرت عمرؓ نے بھانپ لیا تھا کہ اس معاملہ میں تاخیر باعثِ تفریق ہو گی چنانچہ آپ نے باقی مہاجرین اور بنو ہاشم سے مشورہ کئے بغیر حضرت صدیقؓ کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر ابو عبیدہؓ نے بیعت کی اور اُس کے بعد انصار آگے آئے اور سعد بن عبادہ کے سوا جسے انصار خلیفہ بنانا چاہتے تھے باقی سب نے

بیعت کرلی۔ یہ خبر مدینہ میں پھیلی۔ تو باقی تمام مسلمان بھی بیعت میں شریک ہو گئے۔ چونکہ بنو ہاشم اور خصوصاً حضرت امیر المومنینؑ سے مشورہ نہیں لیا گیا تھا۔ انھیں یہ بات ناگوار گزری اور بیعت نہ کی۔ جب کچھ عرصے کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے بیعت کرلی اور سارے مدینہ میں مسرت و انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی۔

بیعت کیوں کی؟

اس بیعت کی بڑی بڑی وجوہ دو تھیں۔ اوّل خوف و انتشار۔ وہ اس طرح کہ حضورؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی بعض قبائل مثلاً بنو فزارہ، غطفان، بنو سلیم، بنو یربوع۔ بنو تمیم کی ایک شاخ، بنو کندہ اور بنو بکر نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور مسیلمہ کذاب، اسود یمنی اور طلحہ جیسے کئی مدعیانِ نبوت پیدا ہو گئے تھے حضرت امیرؑ نے سوچا کہ اگر میں نے بیعت نہ کی تو میرے پیچھے ایک نئی جماعت کھڑی ہو جائے گی۔ اور ملت مزید مشکلات میں مبتلا ہو جائیگی چنانچہ آپ نے بیعت فرمالی۔ یہ کہانی خود حضرت امیرؑ کی زبانی سنیئے!

> "رسول اللہ صلعم کے بعد خلافت کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف ہوا۔ بخدا نہ مجھے شبہ تھا اور نہ میرے وہم تک میں یہ آتا تھا کہ عرب اس معاملہ کو میرے سوا کسی اور کے سپرد کریں گے۔ مگر کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ ابوبکر پہ ٹوٹ پڑے ہیں اور بیعت کر رہے ہیں۔ اس پر میں نے

اپنا ہاتھ بیعت سے روک لیا۔ کیونکہ میں اپنے آپ کو محمد صلعم کی جانشینی کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ ایک مدت تک میں رُکا رہا۔ یہاں تک کہ لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے اور دینِ محمدؐ وملت ابراہیمی کو مٹانے کے لیے پرچار کرنے لگے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اسلام اور اہل اسلام کی اعانت ونصرت پہ کھڑا نہیں ہوں گا تو ممکن ہے کہ اسلام میں شگاف پڑ جائے یا اس کی عمارت گر جائے ...... یہ سوچ کر میں اٹھا اور ابوبکر کے ہاتھ پہ بیعت کر لی۔ پھر اُن کی درستیٔ معاملات پر کمربستہ ہو گیا۔ آخر باطل مر گیا۔ اور کفار کے علی الرّغم کلمۂ الٰہی سربلند ہو گیا ابوبکرؓ کی حکومت ٹھیک اور روش سیدھی رہی۔ انھوں نے اعتدال سے تجاوز نہ کیا۔ اُن کے ساتھ میری رفاقت ناصحانہ تھی اور میں اُن کے سب کاموں میں اُن کی مجاہدانہ اطاعت کرتا رہا جن میں کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتے تھے۔

پھر جب ابوبکرؓ کا وقت آخر ہوا تو انھوں نے عمرؓ کو بلایا اور خلافت سپرد کی۔ ہم نے ان کی بات مان لی۔ اطاعت کی، بیعت سے انکار نہ کیا اور خیر خواہی کے وطیرے پر قائم رہے۔ عمرؓ کی سیرت بھی پسندیدہ تھی۔ اور وہ عمر بھر اقبال مند رہے۔ پھر جب عمر دنیا سے رخصت ہونے لگے تو میں

نے دل میں کہا کہ اب یہ خلافت میرے ہاتھ سے باہر نہیں جاسکتی۔ مگر عمرؓ نے اسے شوریٰ قرار دے دیا اور اہل شوریٰ میں مجھے چھٹا آدمی بنایا اہل شوریٰ کو میری خلافت سے زیادہ کوئی چیز ناپسندیدہ نہ تھی۔۔۔۔ ۔۔۔۔ چنانچہ انھوں نے خلافت عثمان کو دے دی۔ ۔۔۔۔ اور مجھ سے کہنے لگے کہ عثمان کی بیعت کرو ورنہ ہم تم سے جہاد کریں گے۔ مجبوراً مجھے بیعت کرنا پڑی۔“

(نہج البلاغۃ۔ مرتبہ رئیس احمد جعفری

ضمیمہ صـ ۲۸۴)

اس اقتباس سے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ کہ حضرت امیرؑ نے اسلام کی خاطر بیعت کی تھی۔

۲۔ کہ گردن میں رسّی ڈالنے کا واقعہ فرضی تھا۔

۳۔ کہ گھر جلانے اور حضرت فاطمہؓ کو زدوکوب کرنے کی داستانیں بھی غلط ہیں۔ ورنہ امیر المومنینؑ کبھی عمرؓ کی بیعت نہ کرتے اور نہ یہ کہتے کہ ”عمرؓ کی سیرت پسندیدہ تھی“!

۴۔ کہ اگر خلافتِ علیؓ پہ حضور پرنورؐ کا کوئی ارشاد موجود ہوتا تو آپ صاف صاف کہہ دیتے کہ وصیت رسول کی موجودگی میں ابوبکرؓ یا کسی اور سے بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تو حضرت علیؓ اپنے آپ کو مستحق خلافت سمجھتے تھے لیکن مکتوب بالا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے حق سے دستبردار ہو گئے تھے۔ اس کی تائید ایک اور خط سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے معاویہ کو لکھا تھا اس میں فرماتے ہیں کہ گو میرا حق چھپایا گیا اور میں مظلوم ہوں تاہم۔

"میں نے اللہ کے لیے اپنا حق اُن کو چھوڑ دیا۔"

(نہج البلاغۃ۔ مرتبہ رئیس احمد جعفری
ضمیمہ ص ۲۷۴)

اس کی مزید تائید حضرت امام جعفر صادقؑ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

إنّ الناس لما صنعوا اذ بایعوا ابا بکر لم یمنع امیر المومنین عن یدعوا الی نفسہ الا نظراً للنّاسِ وتخوفاً علیہم ان یرتدوا عن الاسلام

(فروع کافی۔ ج اول، کتاب الروضہ
ص ۱۳۹)

(جب لوگوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کر لی۔ تو امیر المومنینؑ نے اس خوف سے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف نہ بلایا۔ کہ کہیں مرتد نہ ہو جائیں......)

دوم۔ بیعت کی دوسری وجہ "شوریٰ" تھی۔ قرآن میں یہ آیت آچکی تھی۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ (شوریٰ ۴۲/۳۹) کہ مسلمانوں کی حکومت باہمی مشورہ سے طے ہونی چاہیئے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السّلام "شوریٰ" کو نہایت اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ جب شہادتِ عثمانؓ کے بعد مسلمانانِ مدینہ مسجدِ نبوی میں جمع ہوئے۔ مختلف تقریروں کے بعد حضرت زبیرؓ نے کہا

ایّھا الناس ان اللہ قد رضی لکم الشُّوریٰ
...... وقد تشاورنا فرضینا علیّا فبایعوہُ۔

(الامامۃ والسیاسۃ از ابن قتیبہ
طبع مصر ۱۹۳۸ء، جزو اول ص ۴۶)

(اے لوگو! اللہ نے تمہیں "شوریٰ" کی ہدایت کی ہے۔ ہم نے اس وقت مشورہ کیا اور علی کو انتخاب کیا ہے۔ بس اس کی بیعت کرو)

اور یہ سارے مسلمان حضرت علیؓ کے گھر پہ بیعت کے لیے گئے تو آپ نے فرمایا۔

لیس ذالک الیکم۔ انّما ھو لاہلِ الشُّوریٰ[1]

---

[1] حضرت عمرؓ نے وقتِ وفات انتخاب خلیفہ کے لیے ایک مجلسِ شوریٰ (باقی اگلے صفحے پر)

واھلِ بدرٍ فمن رضی بہ اھل الشوریٰ واھل
بدرٍ فھو الخلیفۃ

(الامامۃ والسیاسۃ ج اول صـ۴۶)

(انتخاب خلیفہ تمہارا کام نہیں بلکہ یہ مجلسِ شوریٰ اور اصحابِ بدر کا کام ہے۔ خلیفہ وہی ہوگا جسے یہ مجلس اور اصحابِ بدر منتخب کرینگے)

چنانچہ یہ لوگ ناکام لوٹ آئے۔ راہ میں پھر مشورہ کیا کہ پہلا خلیفہ شہید ہوچکا ہے۔ اگر نیا خلیفہ جلد تر منتخب ہوا تو فتنہ پھیل جائے گا۔ چنانچہ یہ سب واپس آئے اور حضرت امیرؑ کو بیعت لینے پر مجبور کر ڈالا۔

اس موضوع پر امیر المومنینؑ نے ایک خط امیر معاویہؓ کو بھی لکھا تھا۔ فرماتے ہیں۔

اِنَّہٗ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکرٍ وعمر وعثمان علی ما بایعُوْھم علیہ فلم یکن للشاھد

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) بنادی تھی جو علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ پر مشتمل تھی۔ یہاں وہی مجلس مُراد ہے۔

(برق)

ان یختار و لا للغائب ان یردّ و انّما الشّوریٰ
للمہاجرین و الانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل و
سمّوہ اماماً کان ذٰلک للّٰہ رضیً۔

(نہج البلاغت۔ ترتیب رئیس احمد جعفری
ج دوم صفحہ)

(میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے پہلے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ سے کی تھی اور اُسی بات پہ کی ہے جس پہ ان کی ہوئی تھی۔ پس کسی شاہد (حاضر۔ موجود) کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی مرضی کرتا پھرے۔ اور نہ کسی غائب (غیر حاضر) کو مسترد کرنے کی اجازت ہے شوریٰ انصار و مہاجرین کا کام ہے۔ وہ اگر کسی آدمی کو منتخب کر کے امام بنا لیں تو اللہ کی رضا بھی اسی میں ہوگی)

اس خط سے نتائج ذیل برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ کہ حضرت امیر المومنینؑ اپنی خلافت کے متعلق کسی نص کے قایل نہ تھے۔ ورنہ اس خط یا کسی اور خط میں معاویہ اور دیگر صحابہ کی توجہ اس کی طرف لازماً مبذول فرماتے۔

۲۔ کہ آپ انتخاب خلیفہ مجلس شوریٰ کا حق سمجھتے تھے۔

۳۔ کہ آپ اسی منتخب شدہ خلیفہ کو امام کہتے تھے۔

نہ کہ خلفائے ثلاثہ کی بیعت ہر لحاظ سے جائز اور بیعت امیر کے برابر تھی۔

غصب خلافت اور خلفائے ثلاثہ

خلفائے ثلاثہ کی سوانح حیات سینکڑوں کتابوں میں محفوظ ہے۔ حضرت عثمانؓ کو چھوڑ کر ان کے خلاف انصار و مہاجرین نے کینہ پروری، دنیا طلبی، تبدیل سنت رسول اور بے تدبیری جیسے کئی الزامات عائد کئے تھے باقی دو خلیفوں کی دُنیوی زندگی بالکل ویسی تھی جیسی حضور پُرنور صلعم کی۔ وہی پیوندوں والے کھدر کے سوتی کپڑے، سوکھی روٹی۔ فرش خاک پہ سونا۔ رات کو عبادت کرنا یا پہرے دینا۔ دن بھر جہاد، افتا، درس قرآن تبلیغ اسلام۔ سلطنت اسلامی کی توسیع، مٹی کے کچے مکانات میں رہنا، بیت المال کو انتہائی دیانت داری سے صرف کرنا۔ اور دُنیا سے انتہائی غربت اور فقیری کی حالت میں رُخصت ہونا۔ اگر غصب خلافت کا الزام صحیح ہو تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس غصب سے ان لوگوں نے فائدہ کیا اٹھایا؟ کیا معاویہ کی طرح دولت سمیٹی؟ جائداد اکٹھی کی؟ خلافت کو ملوکیت میں بدلا؟ عیش و عشرت کے اسباب فراہم کئے؟ یا لذائذ ارضی پہ ٹوٹ پڑے۔ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو پھر ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قوم نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا اور انھوں نے نیابت رسول کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ رضی اللہ عنہم۔

من کنت مولاہ کی تشریح اہل سنت کے نقطۂ خیال سے

اس حدیث کے متعلق علمائے سنت تین باتیں کہتے ہیں۔

اول۔ امام ابن تیمیہ، بخاری ابراہیم حربی۔ ابو محمد بن حزم، علامہ اسحاق ہروی۔ ابن حجر مکیؒ۔ ابو حاتم رازی ابن خزیمہ اور چند دیگر محدثین اسے ضعیف سمجھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلم اور بخاری نے اس کی روایت نہیں کی۔

دوم۔ اس حدیث میں چار الفاظ ایسے آئے ہیں جو ایک ہی مادّہ سے ماخوذ ہیں۔ یعنی اولیٰ۔ مولیٰ۔ والِ۔ والا۔ ان میں سے تین بالاتفاق محبت کا مفہوم لئے ہوئے ہیں۔

اولیٰ۔ محبوب۔ پیارا
والِ۔ محبّت کر
والا۔ محبت کی

تو چوتھے لفظ یعنی مولیٰ کا ترجمہ بھی دوست اور محبوب کرنا پڑے گا۔

سوم۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے کہ حضور صلعم نے صحابہ کی ایک جماعت کو جس میں بریدہ اسلمی اور خالد بن ولید بھی شامل تھے۔ کسی کام پر حضرت امیر علیہ السلام کی سرکردگی میں یمن بھیجا۔ واپسی پر یہ جماعت حجۃ الوداع میں حضورؐ کے ساتھ آملی۔ اور

لگی حضرت امیرؑ کی سخت گیری کی شکایت کرنے۔ جب یہ معاملہ حد سے بڑھنے لگا تو حضور صلعم نے "غدیر خم" میں کجاووں کا ایک منبر بنوایا اور اوپر چڑھ کر کہا

> "جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے فاتح خیبر سے محبت کرنا ہی ہوگی......"

کچھ اسی قسم کی بات حضرت امیرؑ کے اپنے ایک ارشاد سے بھی مترشح ہوتی ہے:۔

(قوله حين تكلمت طائفة فقالت نحن موالي رسول الله فخرج رسول الله الى حجة الوداع ثمّ صار الى غدير خم وامر فاصلح له شبه المنبر ثم علاهُ واخذ بعضدي قائلاً من كنت مولاهُ فعليٌّ مولاه اللّٰهم وال من والاهُ وعادِ من عاداهُ (روضہ کافی۔ طبع لکھنؤ ص ۱۳)

(فرماتے ہیں کہ ایک گروہ نے باتیں بنانا شروع کردیں اور کہنے لگے کہ رسول اللہ کے موالی (جمع مولی :۔ دوست) ہم ہیں۔ پھر جب رسول اللہ حجۃ الوداع کو گئے اور وہاں سے غدیر خُم پہ پہنچے تو وہاں ایک منبر سا بنوایا۔ اس پہ چڑھے اور میرا بازو پکڑ کر فرمانے لگے کہ جو شخص مجھے دوست رکھتا ہے۔ اسے علی سے بھی محبت کرنا پڑے گی۔ اے اللہ

جو شخص علی کو دوست رکھے تو اس کا دوست بن اور جو اُس سے عداوت
کرے تو اُس سے عداوت کر)

ممکن ہے کہ یہ باتیں بنانے والے وہی بُریدہ اسلمی اور خالد بن ولید وغیرہ ہی ہوں۔ اگر روضہ کافی کی یہ روایت صحیح ہے تو پھر اس حدیث میں لفظ مولیٰ کا ترجمہ "دوست اور محبوب" کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ جو لوگ حضرت علیؓ کے متعلق شکایتیں کر رہے تھے اور صرف اپنے آپ کو احباب (موالی) رسول سمجھتے تھے بلکہ حضرت علیؑ کے خلاف لب کشائی کے ساتھ ساتھ دوستیٔ رسول کی بھی لافیں مار رہے تھے۔ حضور صلعم نے انھیں صاف صاف کہدیا کہ مجھے دوست سمجھتے ہو۔ تو علیؑ سے بھی دوستی کرنا ہی ہوگی

دو واقعات

اس امر کی تائید دو اور واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ احادیث امامیہ میں درج ہے کہ امامت رسول اللہ کے تبرکات کے ساتھ چلتی تھی۔ یعنی خاندانِ رسالت میں سے جو بھی امام مقرر ہوتا تھا۔ اُسے رسول کے ہتھیار اور دیگر تبرکات ساتھ ملتے تھے۔ اب وہ دو واقعات سنیئے!

اول:۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب حضور صلعم کا وقت وفات قریب آیا تو انھوں نے عباس بن عبد المطلب اور جناب امیرؑ

کو طلب کیا اور عباس سے کہا کہ اے محمدؐ کے چچا کیا تم یہ منظور کرتے ہو کہ محمدؐ کی میراث لو۔ اس کا قرض ادا کرو اور اس کے وعدے پورے کرو۔ عباس نے کہا یا رسول اللہ فداک ابی و امی میں ایک کثیر العیال۔ قلیل المال اور پیر عمر رسیدہ ہوں۔ آپ کے وعدے کیسے پورے کروں گا کہ سخاوت میں تیز ہوائیں بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ یہ سنکر حضور صلعم نے تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا لیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے پھر وہی سوال کیا اور حضرت عباسؓ نے وہی جواب دیا اور پھر فرمایا کہ میں یہ میراث اس کو دوں گا۔ جو اس کا حق دار ہے اور معاً علی سے پوچھا اے برادر محمد! کیا تم محمد کا قرض ادا کرنے، اس کے وعدے پورا کرنے اور اس کی میراث سنبھالنے کے لیے تیار ہو فقال نعم بابی انت و امی ذاک علیّ و لی۔ کہا بیشک میرے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں۔ یہ کام ہے ہی میرا خواہ مجھے فائدہ ہو یا نقصان۔

(اصول کافی۔ کتاب الحجۃ۔ طبع لکھنؤ۔ صـ۱۴۴)

اسی روایت میں درج ہے کہ اس کے بعد حضور صلعم نے اپنی انگوٹھی، ہتھیار اور دیگر تبرکات علیؓ کے حوالے کر دیے۔

اگر یہ بات درست ہے کہ یہ تبرکات امامت کے ساتھ ہی جاتے تھے

اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضورؐ نے غدیر خم پر خلافتِ علیٰ کا اعلان فرما دیا تھا۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے حضرت عباسؓ کو وراثت سنبھالنے کا مشورہ کیسے دیا تھا۔ اگر حضرت عباسؓ ہاں کہہ دیتے تو اُس نصِ خلافت کا کیا بنتا

دوم:- "امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جبریل امین آئے۔ اور حضور صلعم کو ان کے بیمار ہونے سے پہلے ہی خبرِ وفات سنا گئے۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ تمام انصار و مہاجرین اسلحہ پہن کر حاضر ہوں۔ جب وہ آ گئے تو آپؐ نے منبر پر چڑھ کر پہلے اپنی وفات کی خبر سنائی۔ اور پھر فرمایا کہ میرے بعد جو شخص بھی والی ہے۔ وہ اللہ کو یاد کر کے مسلمانوں پہ رحم کھائے۔ بوڑھوں کی عزت کرے۔ ضعیفوں پہ ترس کھائے۔ علماء کی تعظیم کرے۔ انھیں دکھ پہنچا کر ذلیل نہ کرے۔ انھیں تنگ دست نہ بنائے کہ تنگ دستی کفر کا باعث بنتی ہے۔"

(حیات القلوب۔ طبع لکھنؤ

ج ۲۔ ص ۶۲۹)

حضور صلعم کی یہ آخری وصیت تھی جس کا تعلق صرف سیاست و ولایت سے تھا۔ اگر حضرت امیر المومنین کی ولایت پہ کوئی نص پہلے آ چکی ہوتی تو اغلب یہی ہے کہ آپ لوگوں کو وہ یاد دلاتے۔ اطاعتِ علی کی تاکید کرتے اور یہ نہ فرماتے کہ "میرے بعد جو بھی والی ہے" بلکہ امیر المومنین کا صاف

صاف نام لیتے۔

خلافتِ ظاہری اور ائمہ اہلبیت

امامیہ کا عقیدہ ہے کہ امام بارہ تھے اور یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے صرف دو کو ظاہری خلافت ملی تھی۔ حضرت امیرؑ قریباً پانچ برس اور امام حسنؑ صرف پانچ ماہ اور بائیس دن خلیفہ رہے۔ باقی حضرات امام تو تھے لیکن ظاہری خلافت کے مالک نہ تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امامت کے لیے ظاہری خلافت ضروری نہیں۔ اگر ہم "من کنت مولاہ" میں "مولیٰ" کے معنی امام کر لیں تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اہل سنت کے تمام صوفیائے کرام امامتِ باطنیہ کا سلسلہ حضرت امیرؑ تک پہنچاتے ہیں۔ اور امامیہ تو اس چیز کے قائل ہیں ہی۔ شارح کافی کلینی کتاب الحجۃ کے باب واحد فواحد میں خلفائے ثلاثہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

كانوا خلفاءً ظاهريةً وكان عليٌّ عليه السلام خليفةً باطنيةً

(کہ خلفائے ثلاثہ ظاہری خلیفہ اور جنابِ علی باطنی خلیفہ تھے)

حضرت امام باقر علیہ السلام نے بھی ولایت و امامت کو ایک راز اور ایک باطنی حقیقت قرار دیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

ولایة اللہ اسرها الی جبریل و اسرها جبریل

الی محمد صلعم و اسرھا محمد الی علی
علیہ السلام و اسرھا الی من شاءَ

(اصولِ کافی۔ کتاب الایمان والکفر باب الکتمان
طبع لکھنؤ، صـ ۴۸۷)

(ولایت ایک مخفی راز ہے۔ جو اللہ نے جبریل کو، جبریل نے رسول کو، رسول نے علی کو، اور علی نے جس کو چاہا بتایا۔)

غالباً اس "راز" سے مراد امامت باطنیہ ہی تھی۔

"مولیٰ" کی امامیہ تشریح

عربی نہ جاننے والوں کی خاطر پہلے ہم اس حدیث کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

من :-	جس آدمی کا
کُنتُ :-	میں ہوں
مولاہ :-	مولیٰ۔ "ہٗ" کے معنی "اُس کا" یہ ضمیر "من" کی طرف جاتی ہے۔
فعلیٌ :-	پس علی بھی
مولاہُ :-	اُس کا مولیٰ ہے۔

اب اگر یہاں "مولیٰ" کے معنی "خلیفہ" کئے جائیں تو ترجمہ یوں ہوگا۔

"جس آدمی کا میں خلیفہ ہوں علی بھی اُس کا خلیفہ ہے۔"

یہ ترجمہ صریحاً غلط ہے۔ اس لیے کہ رسول صرف اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے نہ کہ کسی آدمی کا۔

اگر "مولیٰ" کے معنی "جانشین" لیے جائیں تو ترجمہ یوں بنے گا۔

"جس آدمی کا میں جانشین ہوں علی بھی اُس کا جانشین ہے"

یہ ترجمہ بھی مہمل تھے۔ کیونکہ رسول کسی آدمی کے جانشین نہیں تھے۔

اگر ترجمہ "امیر" کیا جائے تو ترجمہ یوں ہوگا۔

"جس آدمی کا میں امیر ہوں۔ علی بھی اُس کا امیر ہے"

اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ "میں اور علی اِس وقت تمہارے امیر ہیں" اور یہ خلافِ واقعہ ہے۔ اس لیے کہ حضور صلعم اپنی زندگی میں مسلمانوں کے واحد امیر تھے۔ حضرت علیؑ اِس امارت میں شریک نہیں تھے۔

اگر امیر المومنین کو خلیفہ "بلا فصل (حضورؐ کی رحلت کے معاً بعد) سمجھا جائے۔ تو پھر اس حدیث میں کئی الفاظ کا اضافہ کرنا پڑے گا۔

مثلاً

من کنت مولاہ (فی حیاتی) فعلیؓ مولاہ

(میں جس آدمی کا امیر (اپنی زندگی میں) ہوں تو علی بھی اس کا امیر ہوگا

(بغیر فصل بعد وفاتی)

بلا فصل میری وفات کے بعد)

اِس ترجمہ کے لیے اصلِ حدیث میں جو صرف پانچ الفاظ و مرکبات پر مشتمل ہے۔ چھ الفاظ اپنے پاس سے بڑھانا پڑیں گے جو کسی طرح رَوا نہیں۔ اگر ہم احادیث و آیات میں اِس طرح کے اضافے کرنے لگیں تو پھر قرآن کی کسی آیت کا ایک ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کوئی حکم تحریف تغیّر سے بچ نہیں سکتا۔ اور سارا قرآن "بازیچۂ علماء" بن جاتا ہے۔

اور اگر ہم اِس حدیث کا وہی ترجمہ کریں جو الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے تو بلا اضافہ مفہوم بھی ادا ہو جاتا ہے اور کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔ یعنی۔

"جس آدمی کا میں محبوب ہوں علی بھی اُس کا محبوب ہے"۔

یہ نزاع ......

اے پیروانِ ملّتِ ابراہیمیؑ اور اے حاملینِ قرآن! یقین فرمائیے کہ اگر آپ احادیث کی بنا پر کسی جھگڑے کو نمٹانے لگے تو وہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اہلِ سنت کے ہاں چودہ لاکھ رنگ برنگی احادیث ہیں۔ لاکھوں قرآن سے متصادم اور آپس میں متباین، ہزارہا مسلّمہ تاریخی واقعات و کونی حقائق کے خلاف، ان میں معتزلہ، زنادقہ، فلسفیانِ یونان۔ قائلینِ تناسخ۔ وحدت الوجودیوں، یہودیوں، مُشرکوں اور عیسائیوں کے عقائد کے مطابق اتنی روایات موجود ہیں جتنے فضا میں ذرّاتِ پریشاں یہی حال روایاتِ امامیہ کا ہے۔ عزیز بھائیو! کیا تم انہی روایات کی بنا پر

پر کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتے ہو۔ یاد رکھیے کہ اگر آپ احادیث سے چمٹے رہے اور قرآن کی مکمل۔ محکم۔ روشن۔ ارفع اور اعلیٰ تعلیمات سے آنکھیں بند کر لیں تو پھر آپ کے گھرانے سے تلوار کبھی جدا نہیں ہو گی۔

خود خلفاء و علیؓ کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے سے ایک پہر جدا نہیں رہتے تھے۔ کوئی کام علیؓ کے مشورے کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ تمام ملکی۔ جنگی سیاسی، دینی بلکہ شخصی امور تک حضرت امیرؑ کی صلاح سے انجام پاتے تھے حضرت فاروقؓ نے نو مواقع پہ کہا تھا کہ

لولا علیٌّ لَھَلَکَ عُمَر

(اگر علی نہ ہوتے تو عمر تباہ ہو جاتا)

اور حضرت امیرؑ اس مشیری وزارت پہ اس قدر نازاں تھے کہ جب مسلمانوں نے آپ کو مسندِ خلافت سنبھالنے پہ مجبور کیا۔ تو آپ نے فرمایا

اِنا لکم وزیراً خیر لکم منّی امیراً

(کہ تمہارے لیے میری وزارت میری امارت سے بہتر ہے)

یہ حضرات پچاس برس تک آپس میں نہایت پیار سے رہے۔ مل کر اسلام پھیلایا۔ مل کر تلوار چلائی۔ مل کر ممالک فتح کیے۔ مل کر قرآن و حکمت اور وحدت و محبت کا درس دیا۔ اور ہمارا یہ حال کہ ان میں عداوت ثابت کرنا مقصدِ حیات سمجھ بیٹھے ہیں۔ جو شخص بوبکرؓ و علیؓ کو ایک دوسرے کا دشمن سمجھے

وہ شیعہ۔ جو دوست ہے وہ سُنّی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے نقطۂ نگاہ سے خارج از اسلام۔ غور فرمایئے کہ یہ قوم لڑتے لڑتے کردار اور اخلاق کی کس سطح پہ جا پہنچی ہے۔ اے اللہ! ان پر رحم فرما۔ انھیں دانش دے کہ عواقب کو سوچ سکیں۔ دیدۂ بینا دے کہ اِن سطحی و دور از کار اختلافات کے پیچھے وحدت کا جہانِ بے کراں دیکھ سکیں۔ اے اللہ وہ امامِ منتظر، وہ بُت شکن جلد بھیج کہ پیروانِ اسلام نے سینوں کو صنم خانہ اور حرم کو سومنات بنا رکھا ہے۔

کِس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کُہنہ ہے بزمِ کائنات۔ تازہ ہیں میرے واردات
کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں؟
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات
قافلۂ حجاز میں ایک حُسینؓ بھی نہیں!
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
(اقبالؒ)

مسئلۂ امامت

امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کا تقرّر خود اللہ کرتا ہے اُس کی اطاعت فرض ہوتی ہے کہ امام سے دنیا

خالی نہیں رہ سکتی۔ اور امام تعداد میں بارہ تھے۔ کہ امام مہدی دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے کہ امام معصوم ہوتے ہیں۔

یہ عقیدہ عملاً باعث اختلاف نہیں رہا۔ اس لئے:۔

۱۔ کہ تمام اہل سنت اِن بارہ اماموں کو ان کے علم و تقوے کی بنا پر امام سمجھتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امامیہ انھیں پیدائشی امام سمجھتے ہیں۔ اور سُنی یہ کہتے ہیں کہ یہ منصب جلیل انھوں نے علم و عمل کے بل پر حاصل کیا تھا۔

۲۔ شیعہ انھیں پیدائشی طور پر معصوم (جس میں گناہ کرنے کی استعداد ہی نہ ہو مثلاً فرشتے) مانتے ہیں۔ اور سنی یہ کہتے ہیں کہ اُن کی معصومیت گناہوں سے مکمل اِجتناب اور حُسنِ عمل کا نتیجہ تھی۔

۳۔ رہے امام مہدی۔ تو اُن کے ظہور ثانی کی روایات سے دونوں کی کتب روایات بھری پڑی ہیں۔ اور اس میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔

ائمہ کا شجرہ:۔

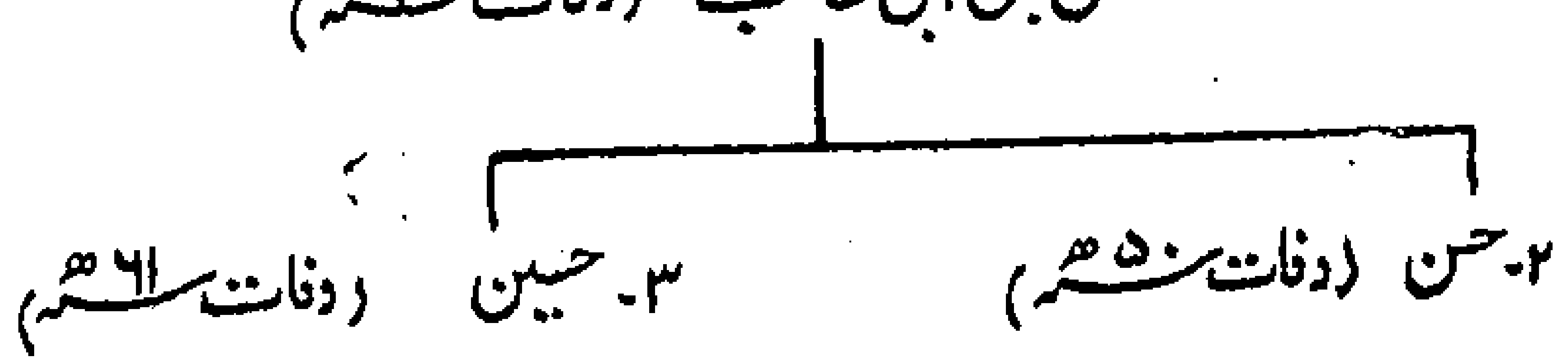

۴۔ زین العابدینؑ (وفات سنہ ۹۴ھ)
۵۔ محمد باقرؑ (″ سنہ ۱۱۳ھ)
۶۔ جعفر صادقؑ (″ سنہ ۱۴۸ھ)
۷۔ موسیٰ کاظمؑ (″ سنہ ۱۸۳ھ)
۸۔ علی رضاؑ (″ سنہ ۲۰۲ھ)
۹۔ محمد تقیؑ (″ سنہ ۲۲۰ھ)
۱۰۔ علی نقیؑ (″ سنہ ۲۵۴ھ)
۱۱۔ حسن عسکریؑ (″ سنہ ۲۶۰ھ)
۱۲۔ محمد مہدیؑ (غیبت سنہ ۲۶۰ھ)

اس سلسلہ میں صرف ایک اختلاف بحث طلب ہے۔ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ ہر امام کو اللہ مقرر کرتا ہے۔ اور اس کی اطاعت نہ کرنے والا خارج از اسلام متصور ہوتا ہے۔ جہاں تک تقررِ امام کا تعلق ہے۔ قرآن میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ بعض انبیاء کو امام بنایا گیا تھا۔ نبوت کا منصب ہی ایسا ہے کہ انسانوں کی سیاست و امامت اس سے الگ نہیں ہو سکتی۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنی اولاد کی امامت و سرداری کے لیے دعا کی تھی لیکن قرآن کی کسی آیت سے یہ مترشح نہیں ہوتا کہ نبی کی طرح امام بھی اللہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے لفظ "امام" کے معنی ہیں "سردار"

کوئی آدمی کسی شعبۂ حیات میں رسوخ پیدا کرلے، چند آدمیوں کا لیڈر بن جائے علم میں نام پیدا کرے۔ طاعت و تقویٰ میں کمال حاصل کرے یا ابولہب کی طرح کفار و فجار ہی کا رئیس بن جائے۔ تو وہ امام کہلائے گا۔ قرآن نے بڑے بڑے کافروں کو ائمۃُ الکفر (فَقَاتِلُوْا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ) کہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لیے دعا کی تھی کہ وہ علم، نیکی سیاست اور تقویٰ میں وہ نام پیدا کریں کہ دنیا انھیں اپنا امام تسلیم کرلے۔ اور الحمد للہ کہ ملتِ اسلامیہ میں ایسے ائمہ کی کمی نہیں۔ ان بارہ اماموں کے علاوہ جن کی بلندیٔ مقام پر ساری ملّت متفق ہے کچھ اور بزرگ بھی ایسے ہو گزرے ہیں جو اپنے بے پناہ علم و تقوے کے باعث مخصوص حلقوں میں امام کہلاتے تھے۔ فرق یہ ہے کہ ان بارہ اماموں کی عظمت کا سکّہ ساری دنیائے اسلام میں رواں ہے۔ اور اُن چھوٹے چھوٹے اماموں کا رسوخ بعض دائروں تک محدود تھا۔ یہ سیادت صرف محنت، قابلیت، بلند اعمال اور کسبِ کمال سے حاصل ہوتی ہے۔

امامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ اہلبیت کے بعض افراد کو اس بات کا علم نہ تھا کہ امام خدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے، اور شاید یہ لوگ حق بجانب بھی تھے۔ اس لیے کہ سیاسی امام کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ کا یہ واضح فیصلہ موجود تھا۔

انما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فاذا اجتمعوا
علیٰ رجلٍ وسمّوہ اماماً کان ذلک للہ رضیً

(نہج البلاغۃ۔ ترتیب رئیس احمد جعفری
ج ۲۔ صفحہ ۴۰)

(کہ شوریٰ مہاجرین وانصار کا کام ہے۔ اگر یہ لوگ مل کر کسی کو اپنا امیر بنالیں۔ اور اُس کا نام امام رکھ لیں۔ تو اللہ کی رضا بھی اسی میں ہوگی)

اپنی خلافت کے دوران میں حضرت امیرؑ نے سینکڑوں خطبے ارشاد فرمائے اپنے عاملین، اہل کوفہ وبصرہ نیز معاویہ کو کئی خطوط لکھے۔ ان میں اپنے تقرر کے متعلق یہی فرمایا کہ مجھے مہاجرین وانصار نے منتخب کیا ہے۔ یہ کہیں نہیں کہا۔ کم از کم میری نظر سے نہیں گذرا۔ کہ میں اللہ کی طرف سے مقرر ہوا ہوں۔ ان ارشادات کی بنا پر اگر اہل بیت کے بعض اہم ارکان کو اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ امام کا تقرر خدا کرتا ہے تو مقامِ تعجّب نہیں۔ اس سلسلہ میں چند واقعات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ اصولِ کافی کے باب الاضطرار الی الحجّت میں ایک کہانی درج ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ ایک دن حضرت زید بن زین العابدینؑ نے ابوجعفر احول کو بلایا۔ اور پوچھا کہ اگر میں علمِ جہاد بلند کروں تو کیا تم میرا ساتھ دوگے

احول نے کہا کہ جہاد صرف امام (حجۃ اللہ) ہی کر سکتا ہے تمہیں اجازت نہیں۔ اس لیے میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔ اس پر زید نے کہا کہ میرے والد مجھ پہ بے حد شفیق تھے۔ حیرت ہے کہ انھوں نے مجھے یہ بات نہ بتائی اور تمہیں بتادی۔ (اصول کافی۔ طبع لکھنؤ۔ ص۱۰۱)

مطلب یہ کہ حضرت زید مسئلہ امامت و شرائط امامت سے بے خبر تھے۔

۲۔ حضرت امام زین العابدینؑ کے کل گیارہ فرزند تھے جن میں ایک امام محمد باقرؑ تھے۔ اصول کافی۔ باب الاشارۃ والنّص علی ابن جعفر میں مذکور ہے کہ امام زین العابدینؑ نے اپنی وفات کے وقت تبرکات کا صندوق (جو امامت کے ساتھ جاتا تھا) امام باقرؑ کے حوالے کر دیا تھا۔ اور بعد میں باقی بھائیوں نے اس صندوق میں میراث کا دعویٰ کر دیا تھا جس کا مطلب یہ کہ باقی سب بھائی شرائط امامت سے ناآشنا تھے۔

۳۔ ایک مرتبہ حضرت زید بن زین العابدینؑ اپنے بھائی امام باقرؑ کے ہاں گئے۔ اور اُن سے جہاد کے لیے کہا۔ امام موصوف نے اتفاق نہ فرمایا

فغضبَ زیدٌ عند ذالک ثمّ قال لیس الامام منامن جلَسَ فی بیتہٖ و ارخی ستره وثبّطَ عن الجہاد ولکن الامام من منع حوزتہٗ وجاھد فی سبیل اللہ حقّ جہادہٖ۔

(اصولِ کافی۔ باب فصل الحق والباطل)

(اس پر زید بھڑک اٹھے اور کہا کہ ہم میں امام وہ شخص نہیں جو گھر میں بیٹھ رہے، پردے لٹکا دے اور جہاد سے غافل ہو جائے۔ بلکہ وہ ہے جو اپنی سلطنت کی نگہبانی کرے۔ اور اللہ کی راہ میں حق جہاد ادا کرے۔)

اس واقعہ سے واضح ہے کہ حضرت زید امام باقرؑ کو امام نہیں سمجھتے تھے۔

۴۔ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰؒ بن امام حسن نے امام جعفرؑ سے بار بار کہا تھا کہ آپ میرے بیٹے محمد (جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور تھے) کی بیعت کرلیں۔ (اصولِ کافی۔ طبع لکھنؤ۔ صـ ۲۲۴)

مطلب یہ کہ حضرت عبداللہ محض بھی تقررِ امام کے عقیدہ سے ناواقف تھے۔ اور

۵۔ حضرت امام جعفرؑ نے صندوق امامت امام موسیٰ کاظمؑ کے حوالے کیا تھا لیکن آپ کے بڑے بیٹے عبداللہ افطح نے بھی امامت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اور آپ کے پیرو افطحیہ کہلاتے تھے۔

۶۔ اسی طرح گیارھویں امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد اُن کے بھائی جعفر ثانی مدعیٔ امامت بنے تھے۔

۷۔ جب عبداللہ محض کے فرزند یحییٰ نے علمِ جہاد بلند کیا تو امام موسیٰ کاظمؑ کو

ایک خط لکھا۔ جس کے چند جملے یہ تھے۔

"آپ کو امامت حاصل کرنے کا شوق ہے ...... تو آپ نے لوگوں کو میری بیعت سے روکا ...... آپ نے کسی استحقاق کے بغیر دعوائے امامت کیا ..... آپ نے لوگوں کو بہکایا اور گمراہ کیا ..."

اس کا جواب امام موصوف نے دیا۔ اس میں یہ جملے بھی موجود تھے۔

أُحذرك معصية الخليفة. واحثّك على برّه وطاعته

میں تمہیں خلیفۂ وقت (ہارون الرشید) کی نافرمانی سے بچنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ اور اس کی طاعت و فرماں برداری کی ترغیب دیتا ہوں۔

(اصول کافی طبع لکھنؤ، ص۲۳۱)

۸۔ جب عبد اللہ محض کے بیٹے محمد نے خروج کیا تو اس نے امام جعفر صادقؑ کو بیعت پہ مجبور کیا۔ یہاں تک کہ ایک شخص سراقی بن سلخ الحوت سے انھیں پٹوایا۔ اور پھر زندان میں ڈال دیا۔

(اصول کافی۔ طبع لکھنؤ ص۲۲۹)

ان روایات سے واضح ہے کہ اہل بیعت کے متعدد افراد نے دعوائے امامت کیا تھا۔ یہ لوگ تقرر امام کے عقیدہ سے ناواقف تھے۔ یہاں تک کہ امام جعفر صادقؑ نے ہارون الرشید کی اطاعت و تعمیل کا بھی درس دیا تھا۔

اس مسئلہ پر حضرت امیر المومنینؑ کا ایک ارشاد قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ باوجودیکہ آپ کو مجلس شوریٰ نے باقاعدہ خلیفہ و امام مقرر کر دیا تھا۔ لیکن امیر معاویہ نے قتل عثمانؓ کی آڑ لے کر بغاوت کر دی۔ جنگِ صفین میں خون ریز جنگ ہوئی۔ دو طرفہ ہزارہا صحابہ شہید ہوئے۔ امیر معاویہ کا یہ اقدام صریحاً بغاوت اور خدا اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ لیکن امیر المومنین کی وسعتِ نظر اور تکفیر و تفسیق میں انتہائی احتیاط کی داد دیجئے کہ پیروانِ معاویہ کو بھی بالکل اپنے جیسا مسلمان سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

انا التقینا والقوم من اہل الشام۔ والظاہر ان ربنا واحدٌ ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا والامرُ واحدٌ الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براءٌ

(نہج البلاغۃ۔ مرتبہ رئیس احمد جعفری ج ۲، ص ۱۹۲)

(شام کی ایک جماعت سے ہمارا تصادم ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم سب کا خدا

ایک، رسول ایک اور اسلام ایک ہے۔ خدا پر ایمان اور رسول کی تصدیق میں ہم اُن سے زیادہ نہیں۔ اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ معاملہ بالکل واحد ہے۔ صرف قتلِ عثمان کے معاملہ میں ہمارا اختلاف ہو گیا ہے۔ اور ہم اس معاملہ میں بے قصور ہیں)

حضرت امیرؓ کا تو یہ حال کہ باغیوں کو اور خدا اور رسول کے محاربوں کو بھی مسلمان کہہ رہے ہیں اور اُن کے نام لیواؤں کی یہ کیفیت کہ ہر کلمہ گو کو کافر بنا رہے ہیں۔

میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ اسلام وہ نہیں جو ہماری صدرنگ روایات میں ملتا ہے بلکہ وہ ہے جس کی تفصیل الحمد للہ سے والناس تک قرآن میں دی گئی ہے۔ اللہ نے رسولِ اکرم صلعم کو بذریعہ وحی قرآن دیا تھا نہ کہ حدیث۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ (انعام ۲/۲۰)

(میری طرف بذریعہ وحی یہ قرآن بھیجا گیا ہے۔ تاکہ تمہیں نتائجِ شر سے خبردار کر دوں اور ان کو بھی جن تک قرآن پہنچے گا)

حدیث کا کوئی حصہ وحی نہیں ورنہ قرآن کی طرح حضور صلعم اپنے اقوال کی بھی حفاظت کرتے اور ان کی کتابت پہ کاتب لگاتے۔ آپؐ نے تو الٹا

احادیث کی کتابت سے منع فرما دیا تھا۔

لا تکتبوا عنّی شیئاً غیر القرآن ومن کتبہٗ

فلیمحہٗ (صحیح مسلم)

(قرآن کے سوا میرا کوئی اور قول مت لکھو۔ اور اگر کوئی لکھ چکا ہو تو اسے مٹا دے)

مقصد یہ تھا کہ کہیں حضورؐ کے بشری اقوال وحی (قرآن) میں شامل نہ ہو جائیں۔ اور قرآن خطرے میں نہ پڑ جائے۔

بعض حضرات آیاتِ ذیل کی رُو سے رسول صلعم کے ہر قول کو وحی سمجھتے ہیں۔

۱۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

(کہ رسول دل سے باتیں نہیں گھڑتا۔ بلکہ **وہ** وحی الٰہی ہے)

یہاں یہ لوگ **وہ** سے قولِ رسول مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ اس کا صحیح اشارہ قرآن کی طرف ہے۔ اور یہ ہے بھی بوجوہ صحیح۔ احادیث میں درج ہے کہ بعض اوقات وحی کا سلسلہ مہینوں بند رہتا تھا۔ اس دوران میں حضور صلعم باتیں تو کرتے ہی ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ ان باتوں کو وحی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وحی کا سلسلہ بند تھا۔ حضور صلعم یومیہ ضرورت کے سلسلہ میں اس طرح کے سینکڑوں جملے ارشاد فرماتے ہوں گے۔

کیا کھانا تیار ہے
پانی پلاؤ
علی کو بلاؤ
بیٹی اِدھر آؤ
بلال! اذان دو۔ وغیرہ

کیا ان تمام کو وحی کہا جائے گا۔؟ وحی کے متعلق تو آپ سمجھتے ہی ہونگے کہ خدا کا وہ پیغام جو جبریل کی وساطت سے رسولؐ تک پہنچتا تھا۔ اگر رسولؐ کو پانی مانگنا ہوتا تھا تو کیا جبریل کی راہ تکتے رہتے تھے کہ وہ آئے اور کوئی فقرہ تجویز کر دے۔ اگر ہم حضورؐ کے تمام ارشادات کو وحی قرار دیں تو سوال پیدا ہوگا کہ انھیں قرآن میں کیوں جگہ نہ ملی۔ کیا آپ کا تصوّر یہ ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ گھٹیا اور بڑھیا۔ بڑھیا کو قرآن میں محفوظ کر لیا گیا ہے اور گھٹیا کو لوگوں کی زبانوں پہ پھینک دیا گیا کہ اس سے جو سلوک چاہیں کریں۔ استغفراللہ۔

رہی دوسری آیت کہ

مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰاکُمْ عَنْہُ
فَانْتَھُوْا (حشر ۱/۷)

(جو کچھ رسول تمہیں دے، لے لو، اور جس سے روکے رُک جاؤ)

اس کا تعلق مالِ غنیمت سے تھا، نہ کہ حدیث سے۔ اعتبار نہ آئے تو قرآن کھول کر سورہ حشر کی پہلی نو آیات خود دیکھ لیجئے۔

احادیث میں بے حد اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہاں سے جو راہیں نکلتی ہیں وہ تصادم، انتشار، ضعفِ ملت اور زیاں کاری پہ منتہی ہوتی ہیں۔ قرآن واحد کتاب ہے۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ

(اسرائیل $\frac{۱}{۹}$)

(جو نہایت پائندہ و محکم طرزِ حیات کا راستہ دکھاتی ہے)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (اسرائیل $\frac{۹}{۸۲}$)

(جو اہلِ ایمان کے لئے شفا و رحمت ہے)

نُوْرٌ نَهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا

(شوریٰ $\frac{۵}{۵۱}$)

(ایک نور ہے۔ جس کی روشنی میں اللہ کے بندے اللہ کی طرف جاتے ہیں۔

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (الطارق ۱۳-۱۴)

(جو انسانی سعادت و شقاوت پہ قولِ فیصل ہے۔ اس کی کوئی بات

بے نتیجہ نہیں)

حضور صلعم کو حکم تھا کہ اِسی قرآن سے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی دعوت دو ۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق ۳/۴۵)

(خدا سے ڈرنے والے انسان کو اِسی قرآن کے ذریعے سیدھی راہ دکھاؤ)

لیکن اس کا کیا علاج کہ جب اس روایات زدہ ملّت کو قرآن کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ ناک بھوں چڑھاتی اور بدکتی نظر آتی ہے ۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۔

(اسرائیل ۵/۴۱)

(بات سمجھانے کے لیے ہم نے قرآن میں مختلف پیرائے اختیار کئے ہیں. لیکن اس سے ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوتا ہے)

یوں معلوم ہوتا ہے کہ آیۂ ذیل آج کے مسلمان ہی کے لیے نازل ہوئی تھی

هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۔ (انبیا ۔ ۴/۵۰)

(یہ قرآن ایک پر از برکت تذکرہ ہے جو ہم نے تمہاری فلاح کے لیے نازل کیا ہے. کیا تم اس کا انکار کیا چاہتے ہو؟)

روایات سے چمٹے ہوئے مسلمانو! ذرا خیال رکھئے۔ کہیں آپ اُس گروہ میں شامل نہ ہو جائیں جس کے متعلق محشر میں حضور صلعم یہ شکایت فرمائیں گے

وَقَالَ الرَّسُولُ یَارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔

(فرقان ب ۲/۳)

(ک: اے رب! میری اس قوم نے اس قرآن کا بائیکاٹ کر دیا تھا)

صحیح و غلط کا ایک عمدہ معیار

مہاتما بدھ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

"نفرت پر قابو پانا میرا دھرم ہے۔"

(بدھ مت۔ از شیو نرائن شمیم، طبع ۱۹۲۶ء، ص ۹۳)

اس کی مزید تشریح یوں کی تھی۔

"مبارک ہیں وہ جو اس نفرت بھری دنیا میں نفرت سے دور رہتے ہیں۔"

ایک اور مقام پر فرمایا

"جو مذہب جنگ کی بجائے امن و سلام، نفرت کی جگہ محبت، طمع کی جگہ قناعت اور غرور کی جگہ انکسار و تواضع کی تعلیم دیتا ہے وہی سچا ہے۔"

نیز ارشاد ہوا۔

"جب لالچ اور نفرت کی آگ بجھ جاتی ہے تو انسان خدا تک پہونچ جاتا ہے۔"

(بدھ مت ص ۹۴- ۹۵)

حضرت کرشنؑ نے پاکیزہ کلام و دماغ کی تفصیل یوں دی تھی۔

"اعتدالِ جذبات، خاموشی، ضبطِ نفس اور پاکیزگیٔ خیالات ایک پاکیزہ دماغ کی صفات ہیں۔ اور پاکیزہ کلام کی علامات یہ ہیں کہ اس میں صداقت ہو۔ دل آزار نہ ہو اور دوسروں کی بصیرت میں اضافہ کرے۔" (گیتا باب ہفتم، اشلوک ۱۵ــ ۱۶)

"جو شخص کسی سے نفرت نہیں کرتا۔ ہر ایک سے دوستانہ و مشفقانہ سلوک کرتا ہے۔ جو طمع و غرور سے خالی ہے۔ مسرت و الم میں معتدل رہتا اور خطاکاروں کو معاف کرتا۔ وہی میرا پیارا بندہ ہے۔"

(گیتا بارھواں باب ۱۳- ۱۴)

حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا۔

مبارک ہیں وہ، جو دل کے غریب ہیں کہ آسمان کی بادشاہت انہی کی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے......

"تمہیں کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت کرو اور دشمن سے عداوت
لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو اور ستانے
والوں کے لیے دعا مانگو۔" (انجیل)

جب اہلِ طائف کی سنگباری سے حضور صلعم لہولہان ہو گئے تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا مانگی تھی۔ کہ اے رب

اِھدِ قومی فانہم لا یعلمون

(میری قوم کی آنکھیں کھول اور انھیں راہِ راست پہ ڈال۔ یہ لوگ
نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں)

انسان کے جذباتِ عالیہ میں محبت بلند ترین جذبہ ہے۔ یہ وہ مقام بلند ہے جہاں سے نسلِ آدم ایک کنبہ نظر آتی ہے۔ یہ وہ زینہ ہے جس سے انسان بارگاہِ اقدس تک پہنچ سکتا ہے۔ دیگر خصائلِ حمیدہ مثلاً رحم تواضع، انکسار، نوعِ انسان کی خدمت، حلم وغیرہ اسی ماں کے بطن سے جنم لیتے ہیں۔ غرور، نفرت، سرکشی اور طغیان وعصیان کے قلعے اسی شمشیر سے سر کیے جاتے ہیں۔ محبت سب کچھ ہے۔ مذہب اسی جذبے کو ابھارتا ہے۔ انبیا یہی چراغ دل کی شبِ تیرہ میں جلانے آتے ہیں۔ اگر یہ آگ بجھ جائے تو انسان راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جاتا ہے اور نفرت اُسے گھیر لیتی ہے عصرِ رواں میں دنیا دو بڑے بڑے گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طرف روس

ہے جس کے ساتھ چین، مصر، ہندوستان اور چند ایک یورپی طاقتیں ہیں دوسری طرف امریکہ، انگریز، فرانس، پاکستان اور پچاس کے قریب دیگر اقوام ہیں، ان کے اخبارات، ریڈیو اور سیاستدان ایک دوسرے کے خلاف جذبات نفرت مشتعل کر رہے ہیں۔ اور آج کی دنیا نفرت و عداوت کا ایک ایسا تاریک جہنم خانہ بن چکی ہے جس میں محبت کی کوئی کرن کہیں نظر نہیں آتی کوئی دھماکہ ہونے کی دیر ہے۔ اور آج کے ایٹم بم۔ راکٹ اور سپوتنک چند گھنٹوں میں ساری دنیا کو بھون کر رکھ دیں گے۔

مذہب نام ہے امن و سلام کا، خدمت انسان کا۔ رحم و احسان کا۔ عدل و مروت کا اور اتحاد و محبت کا۔ اگر یہ چیز روایات میں موجود ہے تو وہ عین اسلام ہیں اور اگر موجود نہیں تو ملت کو خدا اُن سے محفوظ رکھے۔

ہمارے علماء کے کئی طبقے ہیں۔ مثلاً فلاسفہ، مجتہدین۔ محققین وغیرہ جو ہر بات پوری تحقیق کے بعد کہتے ہیں۔ ان کا ایک طبقہ وہ ہے جن کا علم کم اور نظر تنگ ہوتی ہے۔ انتہا درجے کا جذباتی۔ فکرِ سود و زیاں سے بے پروا ملی مقاصد سے غافل اور چند شخصی اہدا کا پرستار۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہمارے مصائب کے ذمہ دار ہیں۔ یہ اپنے مواعظ میں غلط روایات بیان کرتے، غلط تاریخ سناتے، عناد و نفرت بڑھاتے اور مسلم کو مسلم کا دشمن بناتے ہیں۔ اگر مذہب محبت کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی روایات کا مذہب سے کوئی

رشتہ نہیں ہو سکتا۔ (یہ اُن لوگوں (ابن سبا، ابن عکاشہ وغیرہ) کی تخلیق ہیں۔ جو مسلمان کے ہاتھ سے اس کی محبوب ترین متاع یعنی قرآن چھیننا چاہتے تھے اور تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔

ایک اور مشکل یہ ہے کہ ہمارا واعظ و امام مسجد طبعاً تخریب پسند واقع ہوا ہے (الا ماشاء اللہ)۔ اگر کسی بستی میں دو مسجدیں ہوں اور دو امام تو دونوں ایک دوسرے کی توہین و تحقیر بلکہ تکفیر تک میں مصروف نظر آئینگے اگر ایک کسی موضوع پہ وعظ کہے گا تو دوسرا اس کی تردید کو اپنا فرض سمجھے گا۔ یہ لوگ عوام کے جذبات سے کھیلتے ہیں اور جعلی روایات سناتے ہیں۔ عوام کی مذہبی معلومات کا واحد ماخذ یہی واعظین و ائمہ ہیں۔ جب تک ان کی اصلاح نہ ہو، یہ اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کریں۔ اِن کے ملّی احساسات بیدار نہ ہوں، یا حکومت ان پہ کوئی قدغن عاید نہ کرے نفرت کی یہ آگ جلتی ہی رہے گی۔ اور ملّتِ براہیم اس میں جل جل کر کباب ہی بنتی رہے گی۔

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا اِلٰہ اِلّا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زُناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ

ایک زمانہ تھا کہ اہل سنت کے سیاسی طبقوں میں ائمہ اہل بیت کے متعلق کچھ شکوک تھے جن کی بنا پر بعض ائمہ کو دکھ بھی پہنچا تھا۔ لیکن اُس زمانے کو گذرے صدیاں ہو چکی ہیں۔ آج ان عظیم شخصیتوں کی محبت و عقیدت پہ ساری دنیائے اسلام متحد ہے اور ان کا علم و کردار دونوں گروہوں کا مشترک وِرثہ ہے۔

باب پنجم

حضرت امیر علیہ السّلام اور خلفائے ثلثہ کے تعلّقات محبت

ہم عرض کر چکے ہیں کہ شیعوں میں سترّ سے زیادہ فرقے پیدا ہو گئے تھے ان میں سے اکثر عبد اللہ بن سبا سے متاثر تھے۔ چونکہ ان کا مقصد قرآن کو ختم کرنا تھا، عقائد کو بگاڑنا اور مسلمانوں میں تلوار چلانا تھا۔ اس لیے انھوں نے ہزارہا روایات تراشیں اور تاریخ کو مسخ کیا۔ تاکہ مسلمانوں میں اتحاد کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ لیکن ہر دور میں امامیہ و اہلِ سنت کے صحیح الفکر علماء نے ان محرّفین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ صحیح و غلط کو پرکھنے کے معیار قائم کئے اور ان تواریخ و احادیث کو ضائع ہونے سے بچا لیا جو صحیح واقعات کی حامل تھیں۔

محرّف تواریخ میں ابوبکرؓ و عمرؓ پہ جو الزامات ذیل عائد کئے گئے ہیں۔

ان میں سے دو یہ ہیں۔

اول۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہ الزہراؓ کو وراثت سے محروم کر دیا تھا۔

دوم۔ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا حمل گرا دیا تھا۔

پہلے الزام کے متعلق ہم آگے چل کر کچھ عرض کریں گے۔ دوسرے الزام کے متعلق یہاں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو بنو ہاشم تلواریں سونت کر میدان میں نکل آتے۔ اور وہ بارہ ہزار صحابہ جو اہلبیت سے محبت جزو ایمان سمجھتے تھے کبھی خاموش نہ رہتے۔ خود جناب امیرؓ کی وہ تلوار جو بدر و حُنین اور خیبر و اُحد میں شاندار کارنامے دکھا چکی تھی۔ کبھی نیام میں نہ رہتی۔ حضور صلعم کی محبوب ترین یادگار ان کی بیٹی ہی تو تھی۔ بنت رسولؐ پہ علی الروس لاشہادات اتنا بڑا ظلم توڑا جاتا۔ اور عباس، جعفر، عقیل۔ عبداللہ بن عباس، عبیداللہ بن عباس، قثم بن عباس۔ فضل بن عباس اور اُن کے چچیرے دیگر بھائی۔ عبداللہ بن جعفر الطیار اور اُن کے بھائی، ابولہب کے پوتے عباس بن عتبہ، حارث بن عبدالمطلب کے پوتے عباس بن ربیعہ ان کے دو چچا نوفل بن حارث اور مغیرہ بن حارث جیسے جانبازان بنو ہاشم تماشہ دیکھتے رہیں۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اُس زمانہ میں خلیفہ کے

پاس نہ اردلی ہوتا تھا۔ نہ فوج اور نہ پولیس۔ اِن حالات میں کیسے ممکن ہے کہ بنو ہاشم کی شہزادی، رسولؐ کی لختِ جگر، حسینؑ و حسنؑ کی جلیل القدر والدہ اور خواتینِ جنت کی سردار کی یوں کھلے بندوں توہین ہو اور بنو ہاشم کے غیور، سرفروش اور موت سے کھیلنے والے نوجوان احتجاج میں ایک آواز تک بلند نہ کریں۔ حضرت امیرؑ نے اپنے عہدِ خلافت میں لاتعداد خطبے دیے تھے جن کی خاصی تعداد "نہج البلاغہ" اور دیگر کتب میں محفوظ ہے۔ ان خطبات میں حضرت امیرؑ نے خلفاءؓ پر سب سے بڑا الزام یہ عائد کیا ہے کہ انھوں نے مجھے خلیفہ نہ بننے دیا۔ اور ایک خط (ضمیمہ نہج البلاغہ ترتیب رئیس احمد جعفری ص۳۸۴) میں تو یہاں تک فرما گئے۔

> "اہل شوریٰ (جو حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے ترتیب دیا تھا) نے مجھے جہاد کی دھمکی دی۔" نیز کہا کہ "ابو طالب کے بیٹے تو خلافت کا کتنا حریص ہے۔" یہ بھی کہا کہ "غم جھیلو اور عمر بھر کڑھو۔"

اس قدر صاف گوئی کے باوجود آپ کے خطبات و مکتوبات میں ان مظالم کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانیاں بعد کی تخلیق ہیں۔

فدک

فدک یہودیوں کی ایک بستی کا نام تھا۔ جو خیبر کے پاس واقع

تھی۔ جب سرورِ دوعالم صلعم فتح خیبر سے فارغ ہو چکے۔ تو ایک صحابی محیصہ بن مسعود انصاری کو اہلِ فدک کے ہاں بھیجا اور اسلام و جزیہ میں سے ایک چیز قبول کرنے کی پیشکش کی۔ چنانچہ بستی کے سردار یوشع بن نون نے فدک کی نصف زمین حضور صلعم کو پیش کر دی۔ جو جائداد جنگ کے بغیر ہاتھ آئے قرآن کی اصطلاح میں فےَ کہلاتی ہے۔ اور یہ مال فاتح کی شخصی ملکیت نہیں ہوتا۔ ہر فرمانروا کے پاس دو قسم کی جائداد ہوتی ہے اول۔ مملوکۂ خاص مثلاً تنخواہ، اجرت یا مالِ غنیمت جو حصے میں آئے۔ اور اس مال سے خریدی ہوئی کوئی چیز مثلاً زرہ، تلوار، یا گھر کے برتن وغیرہ دوسری مملوکۂ حکومت مثلاً ممالکِ مفتوحہ اور ان کا ٹیکس جو عہدِ رسول میں جزیہ کہلاتا تھا۔ چونکہ فدک جزیہ کے سلسلہ میں ملا تھا۔ اس لیے وہ مملوکۂ حکومت شمار ہوگا۔

مالِ فے کے متعلق قرآن کا فیصلہ یہ ہے۔

۱۔ مَا اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی۔ فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ...... (الحشر ۷)

۲۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ...... (الحشر ۸)

۳۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ
يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ...... (الحشر ۱/۹)

۴۔ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ...
(الحشر ۱/۱۰)

(۱) جو مال کہ رسول کو دیہات سے جنگ کے بغیر مل گیا ہے۔ اس میں اللہ اُس کے رسول، اقربا، یتامٰی، مساکین اور مسافروں سب کا حق ہے

(۲) اور اُن مہاجر فقراء کا بھی جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے تھے

۳۔ اُن انصار کا بھی جو مدینہ میں پہلے سے موجود تھے۔ ہجرت سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور مہاجرین سے محبت کرتے تھے۔

۴۔ اور اُن کا بھی جو بعد میں آئے (یا آئیں گے) جو دعا کرتے ہیں۔ کہ اے رب! ہماری خطاؤں سے درگذر کر اور اُن لوگوں کی خطاؤں سے بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے......)

اس آیہ کی رُو سے محاصلِ فدک کے مستحق آٹھ گروہ تھے۔

۱۔ حضورؐ خود ۲۔ اُن کے اقربا جن میں تو اُمہات المومنین، حضورؐ کی بیٹیاں۔ آپؐ کے عمِ محترم حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد، حضرت امیرؑ

اور اُن کی اولاد، برادرانِ امیرؑ اور ان کی اولاد۔ نیز دیگر رشتہ دار شامل تھے۔ ۳۔ قوم کے یتیم بچے۔ ۴۔ مساکین ۵ مسافر ۶۔ تمام مہاجرین ۷۔ تمام انصار ۸۔ اور بعد میں آنے والے مسلمان۔

حضور صلعم اپنی زندگی میں فدک کی آمدنی اسی طرح صرف فرماتے تھے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو گمان ہوا کہ شاید فدک حضورؐ کی شخصی جائداد تھی۔ اور اس بنا پر حضرت صدیقؓ سے فدک کا مطالبہ کر دیا۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

اِنَّ رسول اللہ صلعم قال لا نورث، ما ترکناہ
صدقۃ انما یاکل اٰلُ محمدٍ من ھذا المال ....
وانّی واللہِ لا اُغیّر شیئاً من صدقات النبی
صلعم التّی کانت علیھا فی عھدِ النبیّ صلعم
ولاعْمَلَنّ فیھا بما عَمَلَ فیھا رسولُ اللہ صلعم

(صحیح بخاری طبع مصر ۱۳۵۱، ج ۱۲، ص ۱۹۵)

(رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ ہم کوئی وراثت نہیں چھوڑتے: اور جو کچھ چھوڑا ہے، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ جو اقربائے رسول کے لیے ہے.... حضور صلعم کے عہد میں جس طرح صدقات تقسیم ہوتے تھے۔ میں ان کی تقسیم اُسی طریقے پہ جاری رکھوں گا۔ اور اللہ کی قسم اس طریقے میں کوئی

تبدیلی نہیں آنے دوں گا۔ اور بالکل وہی کروں گا۔ جو حضور پُرنور نے کیا تھا)

معاملہ نہایت واضح تھا۔ لیکن تاریخ بگاڑنے والوں نے بات کا بتنگڑ بنالیا اور لگے ابوبکرؓ کو برا بھلا کہنے۔ بایں ہمہ امامیہ کے صاحب نظر علماء سے حقیقت چھپ نہ سکی۔ چنانچہ امامیہ کی ایک اہم تصنیف حجاج السالکین میں درج ہے

اِن ابا بكرٍ لما رأى انّ فاطمة انقبضت عنه وهجرته ولم تتكلّم بعد ذلك في امرِ فدك كَبُرَ ذلك عنده فاراد استرضاءها فاتاها فقال لها صدقت يا ابنة رسول الله فيما ادّعيت ولكنّي رأيتُ رسول اللهِ يقسمها فيعطي الفقراء والمساكين وابن السبيل بعد ان يُؤتي منها قُوتكم والصانعين، فقالت اِفعل فيها كما كان ابي رسول الله يفعل فيها فقال ولك الله على ان افعل فيها ما كان يفعل ابوك فقالت الله لتفعلَنَّ فقال فوالله لافعلنّ. فقالت اللّٰهُمَّ اشهد فرضيت بذلك واخذت العهد عليه۔

(جب ابو بکرؓ نے دیکھا کہ سیدہ فاطمہؓ (فیصلۂ فدک پر) رنجیدہ ہو کر الگ ہو گئی ہیں اور انھوں نے فدک کا ذکر ہی چھوڑ دیا ہے تو ابو بکرؓ کو بڑی ذہنی کوفت ہوئی چنانچہ آپ نے سیدہ زہراؓ کو راضی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کے ہاں گئے اور کہنے لگے کہ اے بنت رسول! آپ اپنے دعوی میں سچی ہیں۔ لیکن میں نے حضور پر نور کو خود دیکھا کہ وہ فدک کی آمدنی اپنے اقارب کی ضروریات مہیا کرنے کے بعد فقراء مساکین، مسافرین اور کارکنوں میں تقسیم کر دیتے تھے تو سیدہؓ نے فرمایا۔ آپ بھی وہی کریں جو کچھ میرے والد محترم کیا کرتے تھے۔ تو صدیقؓ بولے خدا گواہ ہو کہ میں وہی کروں گا جو آپ کے ابا جان کیا کرتے تھے۔ سیدہؓ نے پھر فرمایا ضرور ایسا ہی کرنا۔ کہا۔ ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اس کے بعد سیدہؓ بولیں اے اللہ گواہ رہنا۔ اور ابو بکرؓ سے راضی ہو کر ان سے عہد لے لیا۔)

مجھے اس حقیقت پر پورا ایمان ہے کہ حضرت امیر المومنین اور خلفائے ثلاثہ کے تعلقات ہر دولا نہایت عمیق تھے۔ وہ زمانے کے ہر نشیب و فراز میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہے۔ خلفائے ثلاثہ جناب امیرؓ سے تمام ملکی۔ سیاسی، دینی اور شخصی امور میں مشورہ لیتے تھے اور یہ قرابتوں کے علاوہ اسلام کی حبل المتین میں بھی بندھے ہوئے تھے تاریخ

امامیہ ایسے واقعات سے لبریز ہے۔ چند ایک ملاحظہ ہوں۔

قرابتیں

اس حقیقت سے ہر کوئی آگاہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ رسول کریم صلعم کے خسر تھے۔ اور حضرت عثمانؓ و علیؓ داماد۔ پھر جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوگئی۔ تو ان کی ایک زوجہ جنابہ اسماء بنت عمیس سے حضرت علیؓ نے شادی کرلی۔ محمد بن ابی بکرؓ جو امیر المومنین کے نہایت قابلِ اعتماد لفٹیننٹ تھے۔ اور جنھیں آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں مصر کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ اُسی خاتون کے بطن سے تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کی والدہ ماجدہ اسی محمّد کی پوتی اور قاسم کی بیٹی تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی ایک بیٹی ام کلثوم کا جو سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے بطن سے تھیں۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ نکاح کردیا تھا۔ بعض حضرات نے اس نکاح کو جبر و اکراہ کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ نامناسب نہ ہوگا۔ اگر امامیہ کی صحیح تاریخ سے اس واقعہ پر روشنی ڈالی جائے۔

۱۔ ابوالحسن علی بن اسماعیل بن شعیب الکوفی البصری شیعی اثناعشری بڑے پایہ کے عالم ہو گذرے ہیں۔ اُن سے کسی شیعہ نے رفع حیرت کے لیے پوچھا کہ حضرت امیرؑ نے عمر بن الخطابؓ کو اپنی بیٹی کیسے دیدی تھی اُن کا جواب قاضی نور اللہ شوشتری نے مجالس المومنین میں یوں نقل

کیا ہے۔

"اس لئے کہ عمر شہادتین کا اقرار کرتا تھا اور زبان سے جناب رسالت مآب کی رسالت کا قائل تھا۔"

(مواقف المومنین۔ اردو ترجمہ مجالس المومنین۔
طبع آگرہ سنہ ۱۳۴۲ھ ص۱۶ے)

قاضی نور اللہ کی اپنی توجیہہ اس نکاح کے متعلق "ازالۃ الغین" میں یوں دی ہوئی ہے۔

"چوں عمر خواستگاری ام کلثوم نمود علی متفکر شد و گفت اگر مانع شدم او قصد قتل من خواہد کرد۔ و اگر قصد قتل کند و ممانعت کنم او را از نفس خود بیروں روم از اطاعت رسول خدا صلعم و مخالفت وصیت او کنم و داخل میشود در دین آنچہ مذکور می کرد از دن رسول خدا صلعم، پس تسلیم ابنہ دریں حال اصلح بود از قتل او"

(جب عمر نے علی سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا۔ تو علی سوچنے لگے۔ کہ اگر نہ دوں تو عمر میرے قتل کا ارادہ کرے گا۔ اور اگر اُس نے ایسا کیا اور میں نے بچاؤ کے لیے ہاتھ اٹھایا تو رسول کی اطاعت سے باہر ہو جاؤں گا انھوں نے صبر کی وصیت کی تھی۔ اس وصیت کی مخالفت ہو جائے گی

اور پھر دین میں بڑی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ یہ سوچ کر آپ نے بیٹی دے دی۔ کہ بیٹی دے دینا عمر (یا علی) کے قتل سے بہتر تھا)

اس توجیہہ سے اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ حضرت علیؓ نے یہ نکاح حضور صلعم کی اطاعت کے سلسلہ میں کیا تھا۔ رہا یہ قتل و تبل کا قصہ تو مجھے حضرت امیرؑ کے اپنے خطبات و مکتوبات میں اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

نور اللہ شوستری "مقداد بن اسود" کے حالات میں علیؓ اور رسولؐ میں مشابہت تامّہ ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مکہ چھوڑا اور علی نے مدینہ۔ انھوں نے بھی ابتدا میں صلح سے کام لیا اور علیؑ نے بھی

نبی دختر بہ عُثمان داد دے دُختر بہ عمر فرستاد۔

رسول نے اپنی بیٹی عثمان کو دی اور علی نے عمر کو

(مجالس المومنین طبع ایران ص۸۹)

نوٹ:۔ آخری فقرہ صاحب "مواقف المومنین" نے اردو ترجمہ میں حذف کر دیا ہے۔

خلفائے اربعہ کی آراء ایک دوسرے کے متعلق

گو حضرت امیرؑ نے ایک آدھ مقام پر اُس مجلسِ شوریٰ کا شکوہ کیا ہے جو حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت مقرر کی تھی اور اُن عربوں سے بھی نالاں تھے جو بعد از رحلتِ رسولِ مقبولؐ

حضرت امیرؑ کے حق کو نظر انداز کر کے بیعت کے لیئے ابوبکرؓ پہ ٹوٹ پڑے تھے۔ لیکن ان تعلقات سے ان حضرات کے تعلقات مہر و ولا پہ کوئی خاص اثر نہیں پڑا تھا۔ ایسی چھوٹی موٹی شکر رنجیاں باپ بیٹے اور ماں بیٹی میں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ لوگ پچاس برس تک اکٹھے رہے۔ اس طویل مدت میں ایک آدھ شکر رنجی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ کیا آپ کے گھروں میں روزانہ بہن بھائیوں، خاوند بیوی اور ساس بہو میں تکرار نہیں ہوتی؟ کیا بارہا باپ بیٹے پہ ڈنڈے نہیں برساتا؟ کیا کئی مرتبہ بیٹی ماں کے خلاف بڑبڑاتی نظر نہیں آتی۔ اگر ان وقتی "حوادث" سے والدین و اولاد کے مستقل تعلقات پہ کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو پھر حضرت امیرؑ کی شکوہ سرائی کو بغض و عداوت پہ کیوں محمول کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ ان حضرات کے باہمی تعلقات اس قدر خوشگوار و عمیق تھے کہ کوئی بڑے سے بڑا حادثہ انھیں جدا نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے باہمی خلوص کا پتہ ان اقوال سے ملتا ہے۔ جو انھوں نے ایک دوسرے کے متعلق ارشاد فرمائے تھے۔ مثلاً

۱۔ حضرت امیرؑ فرماتے ہیں۔

"ابوبکر کی حکومت ٹھیک اور روش سیدھی رہی۔ اور اعتدال سے انھوں نے تجاوز نہ کیا۔ ان کے ساتھ میری رفاقت ناصحانہ

تھی...... عمرؓ کی سیرت بھی پسندیدہ تھی۔ اور وہ عمر بھر اقبال مند رہے۔“

(ضمیمہ نہج البلاغۃ۔ مرتبہ رئیس احمد جعفری ص ۲۵۷)

۲۔ لِلّٰہِ بلادُ فلانٍ[1] فقد قوّم الاود، وداوی العمد واقام السنتہ وخلّفت الفتنۃ ذھب نقی الثوب قلیل العیب، اصابَ خیرھا وسبق شَرَّھا ادی الی اللہ طاعتہ واتّقاہ بحقہ رحل وترکھم فی طرقٍ متشعبۃٍ لا یھتدی فیھا الضال۔

(نہج البلاغۃ۔ ترتیب رئیس احمد جعفری ج ۲، ص ۱۲۸۳)

(اللہ عمرؓ کے شہروں پہ برکت نازل کرے۔ اس نے ٹیڑھ پن کو دُور کیا بیماری کی دوا کی، سنت رسولؐ کو قائم کیا۔ فتنے کو مٹایا۔ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا۔ کہ اُس کا دامن پاک تھا اور عیب کم

---

[1] علامہ سیّد علی نے اپنی کتاب ”فیض الاسلام“ طبع تہران، ص ۷۱۲ (شرح نہج البلاغۃ) میں ”فلاں“ کا ترجمہ عمر بن خطاب کیا ہے)

تھے۔ اس نے نیکی کو پا لیا۔ اور شر سے محفوظ رہا۔ اللہ کی فرمانبرداری کا حق ادا کیا اور نافرمانی سے بچ گیا۔ جب وہ چلا گیا تو لوگ مختلف راستوں پہ پڑ گئے۔ جہاں بھٹکا ہوا راہی کبھی منزل کو نہیں پا سکتا)

۳۔ ولعمری انّ مکانھما فی الاسلام لعظیمٌ وانّ المصاب بھما لجرحٌ فی الاسلام شدیدٌ یرحمھما اللہ وجزاھما باحسنَ ما عملا۔

ضمیمہ نہج البلاغہ۔ مرتبہ رئیس احمد جعفری، ص ۲۷۵

(مجھے اپنی زندگی کی قسم، ابوبکر و عمر اسلام میں مقام بلند رکھتے تھے، ان کی وفات اسلام کے لیے ایک گہرا زخم ہے۔ خدا ان پر رحم کرے۔ اور انھیں ان کے نیک اعمال کا اجر دے)

۴۔ جب کوفہ و مصر کے بعض لوگ اپنے گورنروں کے خلاف شکایت لے کر مدینہ میں پہنچے۔ تو ان کا ایک وفد حضرت امیرؑ کی خدمت میں بھی گیا اور کہا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس ہمارے یہ مطالبات پہنچایئے اور اصلاح حالات کی کوشش فرمایئے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ خلیفہ کے پاس گئے اور یوں گفتگو شروع کی۔

ان الناس وراءی وقد استسفرونی بینک و بینھم وواللہِ ما ادری ما اقول لک، ما اعرف شیئاً تجھلہ ولا ادلک علی امرٍ لا تعلمہٗ۔ انک تعلمُ

ما نعلم ما سبقناك الی شیءٍ فنخبرک عنه و لا خلونا بشیءٍ فنبلغکه، وقد رایت کما راینا وسمعت کما سمعنا وصحبت رسول اللّٰه کما صحبنا وما ابن قحافة ولا ابنُ الخطاب باولی بعمل الحق منك وانت اقرب الی رسول اللّٰه صلعم و آله ...... وقد نلت من صهره مالم ینالا

(نہج البلاغت۔ مرتبہ رئیس احمد جعفری
ج ۱، صـ ۱۰۹۷)

(لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں، انھوں نے مجھے اپنا سفیر بنا کر آپ کے ہاں بھیجا ہے۔ بخدا میں نہیں جانتا کہ آپ کو کیا کہوں۔ میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں، نہ کوئی ایسی بات بتا سکتا ہوں جس سے آپ بے خبر ہوں۔ ہم کسی حقیقت تک آپ سے پہلے نہیں پہونچے اور نہ کوئی ایسا راز موجود ہے جسے صرف ہم جانتے ہوں اور آج آپ پہ منکشف کرسکوں۔ آپ نے بھی ہماری طرح سب کچھ دیکھا۔ ہماری طرح سنا اور رسول اللّٰہ صلعم کا فیضِ صحبت ہماری ہی طرح حاصل کیا۔ نیکی میں ابوبکر و عمر آپ سے افضل نہیں تھے۔ آپ حضور صلعم اور اُن کی آل سے زیادہ قریب ہیں...... اور

پھر آپ کو دامادیٔ رسول کا وہ امتیاز حاصل ہے جو ابوبکر و عمر کو نہ مل سکا۔)

ان چند اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضرت امیر علیہ السّلام کے تعلقات خلفائے ثلاثہ سے نہایت عمیق تھے۔ اور آپ اُن کے متعلق بہت بلند رائے رکھتے تھے۔ یہ اقوال اس قدر واضح ہیں کہ ان کی کوئی تاویل ممکن نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی ہمارے بعض مناظرین تاویل سے باز نہ آئے اور کہہ دیا کہ حضرت امیر علیہ السلام تقیہ کر رہے تھے۔ تقیہ انتہائی خطرے کی حالت میں بچاؤ کی ایک جائز تدبیر کا نام ہے (اس موضوع پر ہم آگے چل کر روشنی ڈالیں گے) نہ یہ کہ ہم اپنے ایک عظیم امام الہدیٰ کے متعلق (خاکم بدہن) یہ تصور قائم کر لیں کہ آپ کہتے کچھ تھے اور مطلب کچھ اور ہوتا تھا

جو حضرات اس قسم کی حرکات کو تقیہ کہہ دیتے ہیں اور پھر اس تقیہ کو خوبی سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ ساری کائنات میں ایک بھی ایسا انسان موجود نہیں جو دو رنگی کو کسی حال میں بھی گوارا کرے۔ اس لیے ہمیں اقتباسات بالا کا لازماً وہی مفہوم لینا ہوگا۔ جو الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔ نہ کہ وہ جو کسی تاویل پسند کے ذہن میں ہو۔

دوسری طرف خلفائے ثلاثہ کی رائے علی المرتضیٰؓ کے متعلق کیا تھی؟

اس سے اہل سُنت کی لاکھوں کتابیں لبریز ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ اہل سنت کے محرّفین نے لاکھوں روایات تراشیں اور عقائد فاسدہ کو اسلام کی سیدھی سادی تعلیم میں داخل کرنے کی کوشش کی لیکن اس ذخیرے میں ایک بھی ایسی روایت موجود نہیں جس سے یہ مترشح ہوتا ہو کہ خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت امیرؑ کے تعلقات میں ذرہ بھر بھی کشیدگی تھی۔

ان روایات میں سے چند ایک بطور نمونہ حاضر ہیں۔

۱۔ جب حضرت فاطمۃ الزہراؑ نے مقدمۂ فدک حضرت صدیقؓ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے سنت رسولؐ کو واضح کرنے کے بعد فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ لقرابۃ رسول اللہ احبّ الیّ ان اصل من قرابتی۔

(صحیح بخاری۔ طبع مصر، ج ۲، ص ۱۹۵)

(اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ رسول کے اقربا مجھے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز ہیں)

اسی حدیث کا آخری جملہ یہ ہے۔

ارقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی اھل بیتہ

(کہ رسول اللہ صلعم کے حقوق کا یوں خیال رکھو کہ اُن کے اہل بیت کی حفاظت کرو)

۲۔ صحیح بخاری میں باب مناقب علی کے تحت پہلی حدیث حضرت عمرؓ کی ہے۔

قال رسول اللہ لعلیؑ انت منی وانا منک وقال
عمرُ توفی رسول اللہ صلعم وھو عنہ راضی

(بخاری طبع مصر ج ۲ صـ ۱۹۴)

حضور صلعم نے علی سے کہا تھا تو مجھ سے ہے۔ میں تم میں سے ہوں۔
عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلعم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ علی سے
پوری طرح خوش تھے)

۳۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت علیؓ کے دینی فیصلوں اور پراز حکمت مشوروں سے متاثر ہو کر نو مرتبہ فرمایا تھا

لولا علیٌّ لھلک عمر

(اگر علی نہ ہوتے تو عمر تباہ ہو جاتا)

۴۔ حضرت فاروقؓ عموماً کہا کرتے تھے

اقرانا اُبیٌّ واقضانا علیٌّ

(ہمارا سب سے بڑا قاری اُبیّ اور سب سے بڑا جج علی ہے)

چند متفرق واقعات

واقعات ذیل مسئلہ زیر بحث پر مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۔ حضرت حسنؓ کے متعلق حدیث ذیل کے راوی حضرت ابوبکر صدیقؓ

تھے۔

قال رسول اللہ صلعم ابنی ھذا سید ولعل اللہ
ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین

(بخاری ج ۲۔ ص ۱۸۴)

(حضورؐ نے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سیّد ہے۔ اور شاید یہ دو اسلامی گروہوں میں باعث صلح بنے گا)

۲۔ حضرت فاطمہؓ کے متعلق حضورؐ کی اس حدیث

اما سترخین ان تکونی سیدۃ نسا الجنہ

(کیا میری بیٹی! تو خواتین جنت کی سردار نہیں بننا چاہتی)

کی راوی حضرت عائشہؓ تھیں۔

۳۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے وقت وفات فاروق اعظمؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ ان کے مزاج میں بڑی سختی ہے حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ "ان کا باطن ظاہر سے اچھا ہے" حضرت امیرؑ نے جو پاس ہی بیٹھے تھے۔ حضرت صدیقؓ کی فوراً تائید کی اور جناب عمرؓ فاروق سے بیعت شروع ہوئی۔ تو حضرت علی بالیقین کے پہلے گروہ میں تھے۔ (تاریخ اسلام از ابو نعیم عبدالحکیم نشتر)

۴۔ جب بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کو گھیر لیا۔ تو حضرت علیؑ نے اپنے

دونوں بیٹوں امام حسنؑ اور حسینؑ کو خلیفہ کی حفاظت پہ مقرر کر دیا اور ہدایت فرمائی کہ سر دے دینا لیکن خلیفہ پہ آنچ نہ آنے دینا۔ چنانچہ انھوں نے دیگر محافظین کے ساتھ جن کی تعداد سو کے قریب تھی۔ حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ دونوں بھائی زخمی ہوئے۔ اور جب شہادت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؑ جائے وقوعہ پہ پہونچے تو نعش دیکھ کر غش کھا گئے۔ ہوش میں آئے تو اپنے بیٹوں کو پیٹنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اُن کا کوئی قصور نہیں تھا صرف سو آدمی کئی ہزار کا مقابلہ کہاں تک کرتے۔

(الامامۃ والسیاست شہادت عثمان)

۵۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے منصب افتا قائم کر کے چار آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ علیؓ، عمرؓ، معاذؓ بن جبل اور عبدالرحمنؓ بن عوف۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں ارباب افتا کی تعداد آٹھ کر دی تھی۔ علیؓ۔ عثمانؓ۔ معاذؓ عبدالرحمنؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زیدؓ بن ثابت۔ ابودرداؓ۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم۔

۶۔ قتل عثمان کے بعد مدینہ میں اس قدر ہراس پھیل گیا تھا کہ بڑے بڑے انصار و مہاجرین تک جنازہ عثمانؓ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ صرف سترہ آدمیوں نے جنازہ پڑھا تھا جن میں امام حسن بھی شامل تھے۔

۷۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا سفر میں ایک رتبہ

پاؤں دھونے کے بعد دن بھر اُن پر مسح کر سکتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ مسئلہ علیؓ سے پوچھو۔ کہ وہ سفر میں ہمیشہ رسول اللہؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی و سنن سعد بن منصور)

یہاں سوال معیّت رسول کا نہیں کہ حضورؐ کے ساتھ سفر میں سینکڑوں اور کئی مرتبہ ہزاروں دیگر صحابہ بھی ہوتے تھے بلکہ یہ دکھانا ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کو صاحبِ علم اور حضورؐ کے بہترین رفقاء میں شمار کرتی تھیں۔

۸۔ نجران کے یہودیوں کو حضرت عمرؓ نے جلاوطن کر دیا تھا۔ جب حضرت علیؓ مسندِ خلافت پہ متمکن ہوئے۔ تو آپ سے ان یہودیوں نے درخواست کی کہ ہمیں وطن میں واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ آپ نے اس فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا

"عمرؓ کا فیصلہ صحیح تھا اور اُس سے زیادہ صحیح الرائے کون ہو سکتا ہے"۔

(کتاب الخراج۔ قاضی ابو یوسف)

۹۔ امامیہ کی اہم مجموعۂ احادیث "کافی" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ایک آدمی پہ الزام لواطت ثابت ہو گیا۔ عمرؓ نے پوچھا ماتقول یا ابا الحسن۔ اے حسن کے باپ! آپ کی رائے کیا ہے

کہا۔ اس کی گردن اڑا دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمرؓ نعش کو اٹھوانے ہی والے تھے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ اس کی سزا میں ابھی کچھ باقی ہے۔ پوچھا۔ کیا؟۔ فرمایا ایندھن منگوائیے! جب آگیا تو حضرت امیرؑ نے وہ لاش جلادی۔

(فروع کافی۔ کتاب الحدود، ص ۱۰۸)

۱۰۔ اسی کتاب میں درج ہے کہ ایک آدمی نے عہدِ صدیقؓ میں شراب پی لی۔ اور عذر یہ کیا کہ وہ حرمتِ شراب سے بے خبر تھا۔ آپ نے عمرؓ سے مشورہ لیا۔ کہا کہ یہ مشکل مسئلہ ہے علیؓ سے پوچھئے۔ علیؓ نے کہا کہ اسے مہاجرین و انصار کے محلوں میں پھرایا جائے۔ اگر کوئی شخص یہ کہدے کہ اس نے آیۂ تحریم خمر اس کے سامنے تلاوت کی تھی۔ تو اسے سزا دی جائے۔ ورنہ عذر قبول کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(فروع کافی۔ کتاب الحدود ص ۱۱۸)

۱۱۔ اہلِ سنت کے تمام مجموعہائے حدیث میں فتح خیبر اور حضور صلعم کا حضرت امیرؑ کو علَم عطا کرنے کی حدیث موجود ہے۔ صحیح بخاری میں اس کے راوی سہل بن سعد اور سلمہؓ ہیں۔ بعض دیگر مجموعوں میں یہی حدیث حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت سے بھی ملتی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انّ النبیّ

صلعم قال یوم خیبر لاعطین الرایة غداً رجلاً یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ ویفتح اللہ علی یدیہ۔

(حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن حضور صلعم نے فرمایا کہ کل میں علَم ایک ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور رسول سے عشق رکھتا ہے۔ اور جس سے خدا اور رسول محبت کرتے ہیں اور اسی کے ہاتھوں خیبر فتح ہوگا)

۱۲۔ حضرت عائشہ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ علی سے محبت عبادت ہے۔

اخرج الدیلمی عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلعم حُبُّ عَلِیٍّ عبادة

(الدیلمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں رسول اکرم صلعم نے فرمایا تھا کہ علی کی محبت عبادت ہے)

محبت سے مراد خالی زبانی لافیں نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے نقش قدم پہ چلنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اقتدار عبادت سے کم نہیں۔

۱۳۔ امامیہ کی ایک اہم کتاب جلاء العیون (اردو، ج اول، ص۱۱۸) میں درج ہے کہ حضرت امیرؑ اور جنابِ فاطمة الزہراؑ کا نکاح حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب و تدبیر سے ہوا تھا۔ اور آپ ہی ناظم الامور تھے۔ قصہ مختصراً یوں

درج ہے۔

کہ ایک دن ابوبکرؓ و عمرؓ اور سعد بن معاذؓ مسجد نبوی میں حضرت فاطمہؓ کا ذکر کر رہے تھے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ کئی اشرافِ قریش نے حضور صلعم سے یہ رشتہ مانگا ہے۔ لیکن حضورؐ نہیں مانے اور حضرت علیؓ نے تاحال سلسلہ جنبانی نہیں کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ غربت حائل ہے۔ چنانچہ یہ سب حضرت علیؓ کے ہاں گئے۔ اور انھیں ترغیب دی۔ انھوں نے کہا کہ یہ آرزو تو مدت سے میرے دل میں مکیں ہے۔ لیکن تنگ دستی اور حیا کی وجہ سے زبان کھول نہیں سکتا۔ اب آپ نے اس معاملے کو اٹھایا ہے تو اسے تکمیل تک بھی پہونچائیں۔ چنانچہ جب یہ معاملہ حضورؐ تک پہنچا تو انھوں نے فوراً ہاں کر دی۔ پھر علیؓ سے کہا کہ اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ انھوں نے تعمیل کی۔ اس کے بعد اس رقم سے کچھ حضرت بلالؓ کو دی کہ عطر و خوشبو وغیرہ خرید لاؤ۔ اور باقی سامان کے لیے دو مٹھیاں حضرت ابوبکرؓ کو دیں۔ کچھ صحابہ بھی ساتھ تھے۔ بازار میں جا کر تمام اشیاء ابوبکرؓ کے مشورہ سے خریدی گئیں۔

(ملخص)

۱۴۔ حضرت امام حسن عسکریؒ کی تفسیر میں درج ہے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکرؓ نے پڑھائی تھی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا جنازہ

حضرت علیؑ نے پڑھایا تھا۔

عن عليٍّ قال ماتت فاطمة بنت رسول الله بين المغرب والعشاء فحضرها ابوبكر وعمر وعثمان والزّبير وعبد الرحمٰن بن عوف فلمّا وُضعت ليُصلّى عليها قال عليٌّ تقدّم يا ابا بكرٍ قال ابوبكر انت شاهدٌ يا ابا الحسن قال نعم فكبّر عليها اربع تكبيرات ودفنت ليلاً وهٰكذا مات ابوبكر وعمر فصلّى عليهما علي عليه السلام

(تفسیر قمی، سورۃ احزاب، طبع ایران، ص۳۰۵)

(علی المرتضیٰ کہتے ہیں کہ فاطمہؓ بنت رسول کا انتقال مغرب و عشا کے درمیان ہوا تھا۔ جنازہ میں شامل ہونے کے لیے ابوبکرؓ، عثمانؓ، زبیر اور عبد الرحمان بن عوف بھی آئے۔ جب نماز جنازہ کا وقت آیا تو علیؓ نے کہا ابوبکرؓ آگے آئیے۔ ابوبکرؓ نے کہا علیؓ تم گواہ رہنا۔ کہا میں گواہ ہوں گا۔ آگے بڑھیے۔ خدا کی قسم آپ کے سوا کسی اور کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ چنانچہ ابوبکرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ چار تکبیریں کہیں۔ اور رات کے وقت آپ کو دفن کر دیا گیا۔

اسی طرح ابو بکرؓ و عمرؓ کا جنازہ علیؓ نے پڑھایا تھا۔

۱۵۔ نہج البلاغہ میں حضرت امیرؑ کی اپنی زبانی درج ہے کہ جب عمر فاروقؓ نے روم کی طرف افواج بھیجیں اور خود بھی ساتھ جانے کا ارادہ کیا تو حضرت امیر علیہ السلام سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا

- نواحیِ اسلام کو دشمن سے بچانے اور مسلمانوں کی عزت کا کفیل اللہ ہے۔ اللہ نے انھیں اس وقت فتح دی۔ جب ان کی تعداد بہت کم تھی۔ اور فتح کا کوئی امکان نہ تھا۔ انھیں اس وقت بچایا جب ان کے بچنے کی کوئی سبیل نہیں تھی۔ خدا دائم و قائم ہے۔ اگر آپ خود دشمن کی طرف جائیں اور وہاں آپ کی موت واقع ہو جائے تو پھر مسلمانوں کو ان کی آخری سرحدات تک کہیں پناہ نہیں ملے گی اور کوئی ایسی مرکزی شخصیت باقی نہیں رہے گی جس کے دامن میں وہ سر چھپائیں۔ لہذا آپ روم کی طرف ایک تجربہ کار آدمی بھیجیں جس کی کمان میں مخلص اور مبارزہ طلب فوج ہو۔ فان اظہر اللہ فذالک ما تحبُّ وان تکن الاخریٰ کنت رداً للناس وسنامۃ للمسلمین۔

اس کے بعد اگر فتح نصیب ہوئی تو مراد حاصل۔ اور اگر شکست ہو گئی

تو آپ کی ذات لوگوں کے لیے ایک ڈھارس اور
مسلمانوں کے لیے ایک پناہ گاہ ثابت ہو گی!

۱۶۔ اسی طرح جب حضرت فاروقؓ نے امیر علیہ السلام سے ہم ایران کے متعلق مشورہ لیا۔ تو آپ نے فرمایا

"اسلام کی فتح و شکست کا تعلق سپاہ کی کثرت و قلت سے نہیں بلکہ یہ اللہ کا دین ہے جسے اللہ نے غالب کیا یہ فوج اُس کی اپنی ہے جس کی ہر جگہ حمایت کی۔ یہاں تک کہ ہم عزت و اقبال کی موجودہ منازل تک آ پہنچے۔ ہم سے اللہ نے نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے اور وہ وعدہ شکن نہیں۔ وہ یقیناً اپنی فوج کی مدد کرے گا۔ خلیفہ اس دھاگے کی طرح ہے جو موتیوں کو ایک نظام میں منسلک رکھتا ہے۔ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو موتی بکھر جاتے ہیں اور انھیں جمع کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آج کے عرب اگرچہ تعداد میں کم ہیں لیکن اسلام و اتحاد کی بدولت بہت زیادہ نظر آتے ہیں......

(نہج البلاغۃ صـ ۳۲۵)

ان دو اقتباسات سے امور ذیل پہ روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ کہ علیؓ و عمرؓ کے تعلقات نہایت مخلصانہ تھے۔ یہ بات ناقابلِ تصور

ہے کہ ان دونوں میں عناد و نفرت ہو۔ اور پھر بھی جناب عمرؓ جناب امیرؑ سے مشورہ لیں۔ دشمن سے مشورہ کون لیتا ہے۔

۲۔ کہ جناب امیرؑ افواج عمرؓ کو اللہ کا لشکر سمجھتے تھے۔ کیا ایک ظالم غاصب اور مرتد کا لشکر اللہ کی فوج ہو سکتا ہے؟

۳۔ کہ آپ حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کی پناہ گاہ اور رشتہ دار سمجھتے تھے۔

۴۔ کہ آپ جناب فاروقؓ کی بقاء و حفاظت کے خواہاں تھے۔ اگر فاروق اعظمؓ نے حضرت فاطمہؑ کو دکھ دیا ہوتا۔ یا اُن کی دختر ام کلثوم کے اغوار سے اُن کا دامن داغدار ہوتا۔ تو پھر مشورہ وغیرہ تو رہا ایک طرف فاتح خیبر ایسے آدمی سے بات تک نہ کرتے

۱۷۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو امامیہ کی تمام تواریخ میں درج ہے کہ جب عہد صدیق میں ایک مہم خالدؓ بن ولید کی قیادت میں بنو حنیف کے خلاف بھیجی گئی اور ان کے کئی مرد و زن قیدی بنا لیے گئے تو ان میں خولہ بنت جعفر بھی شامل تھی۔ جو حضرت امیر علیہ السلام کے حصے میں آئی۔ آپ کے ایک صاحبزادے محمد الحنفیہ اسی خاتون کے بطن سے تھے۔

۱۸۔ اور یہ بھی درست ہے کہ جب عہد فاروق میں ایران فتح ہوا۔ اور اسیرانِ جنگ میں شاہ ایران یزدجرد کی دختر جہاں شاہ بھی گرفتار ہو کر

آئی تو یہ شاہزادی خاندانِ رسالت کے بلند اختر شاہزادے امام حسینؑ کے سپرد ہوئی۔ اس کا نام بدل کر شہر بانو رکھ دیا گیا۔ امام زین العابدین اسی خاتون سے متولد ہوئے تھے۔

اگر یہ خلفا "غاصب و مرتد" ہوتے تو لازماً ان کا جہاد غیر اسلامی ہوتا اور اُن کا مالِ غنیمت حرام و ناپاک سمجھا جاتا۔ اور امام الہدیٰ حضرت امیرؑ اور اُن کے غیور بیٹے کبھی اس میں حصہ نہ لیتے۔

آلِ رسولؐ کے نام

اولاد سے والدین کو بڑی محبت ہوتی ہے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہفتوں یہ بحث جاری رہتی ہے کہ اس کا نام کیا رکھا جائے کبھی اُن رشتہ داروں کے اسماء کا خیال آتا ہے جن سے والد یا والدہ کو دلبستگی ہوتی ہے۔ کبھی تبرک کے طور پر انبیاء و ائمہ کی طرف دھیان جاتا ہے۔ اور کبھی سکندر، کمال اتاترک، اقبال، محمود غزنوی، طارق اور خالد جیسے عظیم فاتحین و محبانِ وطن کے نام ذہن میں آتے ہیں۔ یہ آج تک کبھی نہیں ہوا کہ کوئی باپ کسی کافر و ظالم یا اپنے خاندان کے دشمن کا نام اپنی اولاد کو دیدے۔ ملت اسلامیہ میں کروڑوں حسین، علی، عمر اور صدیق موجود ہیں۔ لیکن گذشتہ صدیوں میں شاید ہی کسی مسلمان نے اپنے بیٹے کا نام ابلیس، یزید یا شمر رکھا ہو۔ اگر خلفائے ثلاثہ نے خلافت غصب کی ہوتی۔ حرم امیر المومنینؑ پہ

وہ مظالم توڑے ہوتے جن کا ذکر اوراقِ گذشتہ میں ہو چکا ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ کے گلے میں رسی ڈال کر انھیں گھسیٹا ہوتا تو ناممکن تھا کہ حضرت امیرؑ اور دیگر ائمہ اطہار اپنی اولاد کے نام ان "ظالموں اور اہلبیت کے دشمنوں" کے نام پر رکھتے۔ ایسے چند اسماء کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ حضرت امیرؑ کے ایک فرزند جو لیلیٰ بنت مسعود کے بطن سے تھا کا نام ابوبکر تھا۔

۲۔ ایک اور بیٹے کا نام، جو ام البنین بنت حزام سے تھا، عثمان تھا۔

۳۔ اسی طرح ایک فرزند کا اسم گرامی، جو حبیبہ بنت ربیعہ سے تھا، عمر تھا۔

۴۔ امام حسن کے دو بیٹے ابوبکرؓ و عمر کے نام سے موسوم تھے۔ یہ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

۵۔ امام زین العابدینؑ، امام محمد باقر اور امام موسیٰ کاظمؑ کے ایک ایک فرزند کا نام بھی عمر تھا۔

۶۔ اہلبیت کی دو صاحبزادیاں عائشہ کے نام سے موسوم تھیں۔ ایک امام علی نقیؑ کی بیٹی تھیں اور دوسرے امام علی رضاؑ کی۔

۷۔ حضرت عثمانؓ کی ایک زوجہ کا نام ام کلثوم تھا اور ایک کا رقیہؓ۔ اور دونوں حضور صلعم کی بیٹیاں تھیں۔ حضرت علیؑ کے ہاں ام کلثوم نام کی دو

صاحبزادیاں تھیں۔ ام کلثوم کبریٰ و صغریٰ۔ اور ایک رُقیہ تھی۔

تاریخ میں تحریف

ہمارے موجودہ انتشار کی ابتدائی ذمہ داری ہماری تاریخ پہ عائد ہوتی ہے۔

اسلام کی طاقت کو توڑنے کے لیے بڑے بڑے راستے دو تھے۔ اول کہ قرآن مجید کو محرّف ثابت کیا جائے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ ہمارے راویوں نے کہا اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ دوم کہ تاریخ کو بگاڑ کر مسلمانوں میں تلوار چلائی جائے۔ محرفین نے چال یہ چلی کہ بے شمار روایات تراش کر رسول و ائمہ کی طرف منسوب کر دیں۔ ان میں بیشتر روایات ایسی ہیں کہ اُن کا بودا پن بادنیٰ تامّل واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً تحریف قرآن کی روایات کو لیجئے۔ ابوبصیر جابر اور دیگر راویوں نے ایسی روایات امام باقر اور امام جعفر علیہما السلام تک پہنچا کر ختم کر دی ہیں۔ اور یہ نہیں بتایا کہ ان ائمہ کو یہ کس نے بتایا تھا کہ فلاں آیت میں فلاں تبدیلی ہو چکی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ عالم الغیب تھے۔ اور سب کچھ جانتے تھے تو اس دعویٰ کی تائید کہاں سے ملے گی۔ قرآن کی رُو سے تو حضور صلعم بھی عالم الغیب نہیں تھے۔

وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ (انفال پ۵)

(میں غیب نہیں جانتا)

عِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ (نجم $\frac{۳}{۳۵}$)

(علم غیب **صرف** اللہ کو حاصل ہے)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ (نمل $\frac{۵}{۶۵}$)

(کہدے رسولؐ کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور علم غیب نہیں رکھتا۔)

تو پھر ائمہ کرام کی غیب دانی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ان حالات میں تحریف قرآن جیسے اہم مسئلہ کے متعلق روایات کو صرف ائمہ پر ختم کر دینا اور یہ نہ بتانا کہ ان کی اطلاعات کا ماخذ کیا تھا، مفید یقین نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ پہ وحی نازل ہوتی تھی تو پھر بھی بات نہیں بنتی۔ اس لیے کہ حضور صلعم پہ سلسلۂ وحی ختم ہو چکا تھا۔

احادیث امامیہ کا پہلا مجموعہ سنہ ۳۲۰ھ کے قریب ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی نے مرتب کیا تھا۔ اس میں بیشتر روایات امام باقر و صادق علیہما السلام سے ہیں۔ امام باقرؑ کی وفات سنہ ۱۱۴ھ اور امام جعفرؑ کی سنہ ۱۴۸ھ میں ہوئی تھی۔ کلینی اور امام باقرؑ کے درمیان اندازاً دو سو سال کا زمانہ حائل تھا۔ اور یہ محدث امام جعفرؑ سے تقریباً پونے دو سو برس آگے تھے۔ اس دو سو برس

ہیں ان ائمہ کے اقوال کتنے محرّف ہو چکے تھے۔ اور انتشار پسندوں نے کتنی ہزار روایات تراشی تھیں۔ کوئی نہیں جانتا۔ سچائی میں کبھی تضاد نہیں ہوتا اور نہ اس پر اختلاف کا کوئی امکان ہوتا ہے۔ کیا آج تک "دو اور دو چار" ہونے میں کوئی اختلاف ہوا ہے کیا ان حقائق پر کہ لوہا پانی سے بھاری ہوتا ہے اور پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے کبھی کوئی جھگڑا اٹھا ہے؟ ہماری ان روایات کا باہمی تضاد اور ان پر بے اندازہ اختلاف اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ان میں صداقت بہت کم ہے۔ ہمارے مورخین نے اپنی تواریخ میں ان روایات کو بے دھڑک استعمال کیا اور صحیح و غلط کو الگ الگ کرنے کی کوئی قابلِ ذکر کوشش نہ کی۔

اسی پہ بس نہ تھا۔ بلکہ یہ داستان گو زیبِ داستان کے لیے باتیں پاس سے بڑھاتے گئے۔ بطور نمونہ ایک دو واقعات ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ سیّد المتالہین حیدر بن علی الآملی اپنی کتاب "کشکول" میں ایک حدیث کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ کے ایمان لانے کا واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ جب حضرت سلمان فارسیؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور صلعم کو معلوم ہوا کہ آپ بڑے دانشمند واقع ہوئے ہیں تو ان سے پوچھا کہ اہلِ مکّہ میں سے کس کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ سلمانؓ نے کہا کہ ابتدا ابوبکرؓ سے کی جائے کیونکہ ابوبکر تعبیرِ خواب اور تاریخ انساب کا ماہر ہے

نیز بچوں کا معلّم بھی ہے۔ تمام عرب میں شہرت رکھتا ہے۔ پھر جاہ پسند بھی ہے۔ اگر یہ شخص مسلمان ہو جائے تو عوام اس کے قبولِ اسلام کو صداقتِ اسلام کی دلیل سمجھیں گے۔ حضور صلعم نے حضرت علیؓ سے رائے طلب کی۔ انھوں نے بھی اتفاق کیا۔ چنانچہ حضورؐ نے ابوبکرؓ کی طرف پیغام بھیجنا شروع کر دیئے۔ جاہ و منصب کی امید دلائی اور وہ اس لالچ میں آ کر مسلمان ہو گیا۔

(ملخّص)

خلاصہ یہ کہ ابوبکرؓ کا اسلام جاہ و منصب کی خاطر تھا۔ اور رسول صلعم نے اسے خلافت کا لالچ دے کر پھنسا لیا تھا۔ اس کہانی سے نتائج ذیل نکلتے ہیں۔

۱۔ کہ رسول اللہ صلعم کو مخلص مسلمانوں کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ اپنے گرد محض برائے نام مسلمانوں کی ایک جماعت جمع کرنا چاہتے تھے۔

۲۔ کہ اس مقصد کے لیے وہ انہی حربوں سے کام لیتے تھے جنھیں آجکل کی بدنام سیاسی پارٹیاں استعمال کرتی ہیں کہ وزارت، پرمٹ یا برآمدی لائسنس کا لالچ دے کر کسی ممبر کو اپنی پارٹی میں ملا لیا۔

اور اس روایت پہ بڑے بڑے دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

اول۔ کہ جب حضور صلعم نے خلافت کا لالچ ابوبکرؓ کو دیا تھا تو پھر غدیر خم میں حضرت امیرؑ کی ولایت کا اعلان کیسے کر دیا۔ اُس وقت ابوبکرؓ نے احتجاج کیوں نہ کیا؟ اور اس برائے نام اسلام کا نقاب اتار کیوں نہ پھینکا؟

دوم۔ اگر ہم اقوام عالم کے سامنے حضور صلعم کی یہ تصویر پیش کریں کہ وہ لالچ دے دے کر لوگوں کو پھنساتے تھے۔ وعدہ کسی سے کرتے تھے اور چیز کسی اور کو دے دیتے تھے۔ تو وہ حاصل الوحیٰ، صاحب خلق عظیم، رحمت کائنات اور ہدایت کے اس سراج منیر کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔

حامل الوحی

سوم تاریخی غلطی - سلمان فارسی تو مدینہ میں اسلام لائے تھے
کھجوروں والی سرزمین پر یہودی کے غلام تھے جو مدینہ میں تھے

حیرت یہ ہے کہ سید نور اللہ شوستری جیسے بلند پایہ عالم نے بھی اس روایت کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ "مجالس المومنین" میں "سلمان فارسی" کے تحت اس روایت کو بڑے ٹھاٹھ سے بیان کیا ہے اور نتائج پہ نظر ڈالے بغیر "جاہ و منصب" سے مراد خلافت لے لی ہے۔

ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔

"عیاشی روایت کردہ است کہ از حضرت صادقؑ پُرسیدند کہ آیا حضرت رسول دختر خود را بہ عثمان داد۔ حضرت فرمود کہ بلے۔ راوی گفت کہ چوں دختر آں حضرت را شہید کرد۔ باز دخترے دیگر بہ او داد۔ حضرت فرمود کہ بلے۔"

حیات القلوب از ملا باقر مجلسی، ج ۲ ص ۵۶۳)

(عیاشی روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق سے کسی نے پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ حضور صلعم نے اپنی بیٹی عثمان کو دی تھی۔ امام نے کہا۔ یہ سچ ہے۔ پھر پوچھا کہ کیا یہ بھی صحیح ہے کہ جب عثمان نے دختر رسولؐ کو شہید کر ڈالا تو اُسے دوسری بیٹی دے دی۔ امام نے کہا یہ بھی درست ہے)۔

اس شہادت کی تفصیل ملّا باقر مجلسی نے اسی کتاب کے اسی صفحے پر یوں دی ہے کہ

پہلے عثمان نے جنابہ رقیہ کو اونٹ کے کجاوے کی چوب سے پیٹا وہ خستہ و مجروح ہو گئیں۔ حضور صلعم کے پاس شکایت کی۔ حضورؐ نے صبر کی تلقین فرمائی۔ وہ آئے دن شکایت کرتی رہتیں اور حضورؐ صبر کی تلقین فرماتے رہتے۔ چوتھی مرتبہ پیغام بھیجا کہ آج تو عثمانؓ نے مجھے ذبح کر ڈالا ہے حضورؐ نے علیؑ کو بلایا اور کہا تلوار لے کر عثمانؓ کے گھر جاؤ اور میری بیٹی کو لے آؤ۔ اگر عثمانؓ مزاحم ہے تو اس کی گردن اڑا دو۔ علیؑ روانہ ہو گئے اور بیتابی کی وجہ سے خود حضورؐ بھی پیچھے پیچھے چل دیے۔ جب حضورؐ عثمانؓ کے دروازے پہ پہنچے تو علیؑ رقیہ کو لے کر گلی میں آ چکے تھے۔ جب بیٹی نے باپ کو دیکھا تو باواز بلند رونے لگی۔ حضورؐ بھی بہت روئے

جب گھر پہنچے تو بیٹی نے کرتہ اٹھا کر اپنی پیٹھ دکھائی تمام سیاہ اور زخمی ہو چکی تھی۔ حضورؐ نے تین مرتبہ کہا "عثمانؓ نے تمہیں کس گناہ میں ذبح کیا ہے"۔ وہ یکشنبہ کا دن تھا۔ دو دن تک وہ مظلومہ فرشِ درد والم پہ تڑپتی رہیں اور چہارشنبہ کو جامِ شہادت نوش کر گئیں

(ملخص حیات القلوب)

اگر کوئی واعظ یہ روایت عوام کے بھرے مجمع میں سنائے تو ظاہر ہے کہ مجمع بھڑک اٹھے گا۔ عوام میں یہ شعور کہاں کہ وہ کسی روایت کو حقائق کی روشنی میں پرکھ سکیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ

۱۔ رسول صلعم نے حضرت علیؓ کو یہ حکم تو دیدیا کہ اگر عثمانؓ رقیہؓ کو تمہارے ساتھ نہ بھیجے تو اس کا سر اڑا دو۔ لیکن اس زدوکوب کے متعلق جس سے جنابِ رقیہؓ کی موت واقع ہو گئی تھی۔ کچھ نہ فرمایا۔ حضرت عثمانؓ کا رقیہؓ کو بھیجنے میں مزاحم بننا ایک خفیف جرم تھا اور وہ مار پیٹ جس سے موت واقع ہوئی اقدامِ قتل تھا۔ اس خفیف جرم پر تو سر اڑا دینے کی ہدایت نافذ فرمائی۔ لیکن قتل جیسے جرم پر جس کی سزا موت ہے خاموش ہو گئے۔

۲۔ مدینہ میں حضور صلعم کے گرد ہزاروں جانباز جمع تھے۔ جو آپ کے اشاروں پر تن من دھن سب کچھ نثار کرنے کو ہر وقت آمادہ رہتے تھے اور عثمانؓ

کی حیثیت رسولؐ کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضورؐ کسی موہوم خطرۂ بغاوت سے ڈر گئے تھے اور اس لئے سزائے قتل نافذ نہ کی۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ اِن کو دوسری لڑکی کیوں دے دی۔

ہم میں سے کوئی بھی عہدِ رسول میں موجود نہیں تھا۔ اگر ہم اُس دور کا کوئی واقعہ سنانے بیٹھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ماخذ کا ساتھ ذکر کریں۔ نیز ہر واقعہ کو دیگر واقعات کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کریں۔ نہ کہ جو منہ میں آیا کہدیا۔ ہر صاحبِ عقل اِس چھوٹی سی بات کو سمجھ سکتا ہے کہ حضور صلعم کا اپنی دوسری بیٹی عثمانؓ کو دیدینا اس ساری داستانِ زدوکوب کو غلط ثابت کردیتا ہے

صحیح روایت جو سینکڑوں تواریخ میں درج ہے۔ یہ ہے کہ حضور صلعم کو حضرت عثمانؓ سے ان کی بے شمار جانی اور مالی قربانیوں کی بنا پر اس قدر محبت تھی اور پھر اپنی بیٹی کے ساتھ ان کے حسنِ سلوک سے اس قدر متاثر تھے کہ جب حضرت رقیہؓ کا بقضائے الٰہی انتقال ہو گیا تو اپنی دوسری بیٹی اُمِ کلثوم بھی اُن کے نکاح میں دے دی۔ اگر عثمانؓ جنابِ رقیہؓ کے قاتل ہوتے تو جس رسولؐ نے صرف ۳۱۳ جانبازوں کے ساتھ قریش کی زبردست فوج کو میدانِ بدر میں شکست فاش دی تھی وہ عثمانؓ سے بھی قتلِ رقیہؓ کا انتقام لے سکتے تھے؟

۳۔ ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے۔

ہم صفحات گزشتہ میں یہ واقعہ حضرت امیر علیہ السلام کی اپنی زبانی درج کر چکے ہیں (نہج البلاغہ۔ ضمیمہ ۲۸۴) کہ جب حضرت عمرؓ کا وقتِ رحلت قریب آیا تو آپ نے چھ آدمیوں (علیؓ۔ عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ) کی ایک مجلسِ شوریٰ بنا دی کہ وہ حالات کا جائزہ لینے اور قوم کی رائے معلوم کرنے کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرے لیکن شیعوں کے ایک عالم لکھتے ہیں۔

قال عمر حين حضرة الموت اتوب الى الله من ثلاثة اغتصابي هذا الامر انا و ابوبكر من دون الناس واستخلافي عليهم وتفضيلي المسلمين بعضهم على بعض۔

(خصال ابن بابویہ، طبع طہران، ص۸۱)

(موت کے وقت عمرؓ نے کہا کہ میں تین چیزوں میں اللہ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ اول میرا اور ابوبکرؓ کا خلافت غصب کرنا۔ دوم۔ ابوبکرؓ کا مجھے خلیفہ بنانا۔ سوم۔ میرا مسلمانوں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا)۔

موت کا وقت بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس وقت انسان کو اپنے کیے پر انتہائی

ندامت اور خدائی محاسبہ کا شدید احساس ہوتا ہے۔ اگر عمرؓ کو فی الواقعہ یہ احساس ہو گیا تھا کہ انھوں نے وصیت رسولؐ کو توڑ کر حضرت علیؓ کو اُن کے جائز حق سے محروم کر دیا تھا تو پھر خلافت ان کے حوالے کیوں نہ کی۔ اور مجلس شوریٰ کیوں بنا دی؟

دونوں فرقوں کی کتابوں میں ایسی روایات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی تردید پر بلا مبالغہ ایک ہزار جلد لکھی جا سکتی ہے۔ اقوام مغرب کے اہل قلم جب کوئی بات لکھنے بیٹھتے ہیں تو تمام تاریخوں، کتبوں، کھنڈروں اور سکّوں تک کی شہادت فراہم کرتے ہیں۔ واقعات کا جائزہ لیتے ہیں نتائج سے واقعات اور واقعات سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اور پوری چھان بین کے بعد کوئی واقعہ قلمبند کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے زمین و آسمان ہی جداگانہ ہیں۔ یہ نہ واقعات کو دیکھتے ہیں۔ نہ تاریخ کی پروا کرتے ہیں۔ نہ عواقب کو سوچتے ہیں اور جو جی میں آتا ہے لکھ دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ چوٹی کے چند محتاط مورخین کو چھوڑ کر باقی کسی مورخ کی دنیا میں کوئی وقعت نہیں۔ ان کی تواریخ میں خوفناک اختلاف۔ ان کی روایت میں انتہائی تضاد اور اُن کے افکار و تصورات میں وحشت انگیز تصادم ہے۔ اور باتوں کو تو رہنے دیجئے گذشتہ چودہ سو برس میں اسی بات کا فیصلہ نہیں ہو سکا کہ حضرت ابوبکرؓ مسلمان بھی تھے یا نہیں۔ مغربی

مصنفین نے نہ صرف مکہ و مدینہ کے تمام مسلمانوں کی مکمل فہرستیں بنا ڈالی ہیں۔ بلکہ اُن کے سارے مشاہیر کا انسائیکلوپیڈیا تک لکھ ڈالا ہے اور ہم ابھی خلفائے ثلاثہ کے کفر و اسلام ہی کے نزاع سے فارغ نہیں ہوئے۔ کیا ابھی وقت نہیں کہ مسلمان ان مسخ شدہ روایات، ان عجیب و غریب مؤرخین اور اپنے جذباتی واعظین کو الوداع کہہ کر قرآن کی لازوال صداقتوں کی طرف بڑھیں اور اُس جہانِ وحدت و محبت اور اُس دُنیائے نور و سُرور کو پھر پالیں۔ جس کی طرف حضور مکّی و مدنی فداہُ ابی و اُمّی نے ہمیں بلایا تھا جس میں داخل ہو کر ہم ماں جائے بھائی بن گئے تھے۔ اور جس سے نکل کر ہم تفریق و انتشار کے جہنم میں گل سڑ رہے ہیں۔ اے کاش! کہ ہم ایک مرتبہ پھر مل جائیں اور آیۂ ذیل کی جھوم جھوم کر پھر تلاوت کریں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ
قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی
شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا۔ کَذٰلِکَ
یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔

(بقرہ ۱۱/۱۰۳)

(اللہ کی رسّی کو مضبوط تھام لو اور بکھرو مت۔ اللہ کے اُس احسان کو

یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت بھر دی۔ اور تم بھائی بن گئے۔ تم ایک آگ کے گڑھے پہ پہنچ چکے تھے کہ اللہ نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ اپنی باتیں کھول کھول کر تمہیں سمجھا رہا ہے تاکہ تم سیدھی راہ پہ رہو۔ اور بھٹک نہ جاؤ)

مری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی ۔۔۔ مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
ترے ضمیر میں گر انقلاب ہو پیدا ۔۔۔ عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے
وہی شراب، وہی ہاؤ ہو رہے باقی ۔۔۔ طریق ساقی و رسم کدو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری ۔۔۔ مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

(اقبالؒ)

باب ششم

خلفائے ثلٰثہ قرآن کی روشنی میں

پچھلے اوراق میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اہل سنت کی طرح شیعوں میں بھی بیسیوں فرقے نمودار ہو گئے تھے جن میں سے بہتر کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ امامیہ کے سوا باقی سب کے عقائد فاسد ہو گئے تھے ان میں سے بیشتر عبداللہ بن سبا کی تعلیمات سے متاثر تھے۔ چونکہ عبداللہ کا مقصد قرآن کو بے اعتبار بنانا، ملت میں پھوٹ ڈالنا اور خلفائے ثلٰثہ کو ظالم و غاصب ثابت کرنا تھا۔ اس لیے اس کے پیرؤں نے ان نظریات کی تائید میں ہزارہا روایات تراشیں اور تاریخ امامیہ میں بھر دیں۔ ان روایات میں سے صحیح و غلط کو جدا کرنے کے لیے وسیع علم، غیر جانبدارانہ نقطۂ نگاہ اور معرفتِ رجال اور بلند ملکۂ تنقید کی ضرورت ہے۔ عام واعظین ان صفات سے معرّا ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ

ان کے مواعظ امامیہ و اہل سنت میں عناد و نفرت کا باعث بن رہے ہیں۔

تاریخِ امامیہ میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ ایک وہ جن سے خلفائے ثلثہ کے ایمان و تقویٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ دوسری وہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں قسم کی روایات صحیح نہیں ہو سکتیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کن روایات کو قبول اور کن کو مسترد کیا جائے

ایمانِ خلفا پہ واقعاتی دلائل

تاریخ اسلام کا ہر طالب العلم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ آغاز میں حضور صلعم کو اشاعتِ اسلام میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوا تھا۔ اوّل تو اُن جہلا کو بات سمجھانا اور آبائی دین چھڑانا مشکل، اور اگر یہ منزل کسی طرح سر ہو جاتی تھی تو اُن مظالم کو جو کفارِ مکہ نو مسلموں پہ ڈھاتے تھے برداشت کرنا مشکل تر تھا۔ کفار ان مسلمانوں کو تپتی ریت پہ گھسیٹتے، گرم لوہے سے داغتے اور سب کچھ چھین کر بے خانماں بنا دیتے تھے۔ دوسری طرف حضور صلعم کے پاس فاقہ و افلاس کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ کشت و دہن کی کشش تھی، نہ اقتدار و حکومت کا لالچ، اُلٹا ان مسلمانوں کو حلقۂ رسولؐ میں پہنچ کر باقی ماندہ سرمایہ بھی خدا اور رسولؐ کے سپرد کرنا پڑتا تھا۔ آپ نے پڑھا ہو گا کہ بارہا حضرت صدیقؓ نے گھر کا تمام اثاثہ اونٹ، ریوڑ اور نقدی وغیرہ حضورؐ کے حوالے کر دیا تھا۔ اور گھر میں صرف اللہ کا نام چھوڑا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے صرف ایک موقعہ پر (مہم تبوک)

میں تین سو اونٹ، اور ایک ہزار طلائی دینار پیش کیے تھے۔ مالی قربانیوں کے علاوہ ان حضرات کو آئے دن جان بھی پیش کرنا پڑتی تھی۔ عرب کے ایک ہزار از سرتا پا مسلح بہادروں کے سامنے جو مسلمانوں کی مکمل تباہی کا عزم لے کر آئے تھے، تین سو تیرہ نہتے مسلمانوں کا صرف گیارہ یا تیرہ تلواریں لے کر جانا کوئی کھیل نہیں تھا۔ ان اوّلین مسلمانوں میں خلفائے ثلاثہ بھی شامل تھے۔ انھوں نے اقارب، وطن اور کشت و چمن چھوڑے اور رلا کیا، بھوک، جہاد، ابتلاؤں کا ایک لاانتہاہی سلسلہ اور صبر و تحمل کا بار بار امتحان، اگر صدیقؓ کے متعلق ملا باقر مجلسی کی یہ روایت تسلیم بھی کر لی جائے۔ کہ انھیں حضور صلعم نے خلافت کا لالچ دے کر مسلمان کر لیا تھا تو میں پوچھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی وجہ کیا تھی، یہ امر بھی سوچنے کے قابل ہے۔ کہ جب حضرت صدیقؓ اسلام لائے تھے تو اس وقت مردوں میں صرف ایک مسلمان اور تھا، یعنی حضرت علیؑ۔ اور یہ بھی دس برس کے بچے تھے۔ کیا ایک اکیلا آدمی جس کے ساتھ صرف ایک دہ سالہ بچہ ہو اور جو خوفناک دشمنوں میں گھرا ہوا ہو، سیاست و حکومت کا خواب بھی دیکھ سکتا ہے؟ اگر ان حالات میں کوئی شخص جہانگیری و جہاں بانی کے ارادوں کا اعلان بھی کر دے تو اس کی طرف توجہ کون دے گا۔ چلو یہ بھی تسلیم کہ حضور صلعم نے صدیقؓ کو خلافت کا لالچ دیا۔ اور وہ پھنس گئے۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ اس خلافت سے انھوں نے فائدہ کیا اٹھایا؟ کیا کوئی محل بنایا؟ جاگیریں سمیٹیں؟ دولت کے انبار جمع کیے؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی، بلکہ

حضرتِ صدیق رضؓ نے خلیفہ بن کر بھی کھدر پہنا، گارے کے مکان میں رہے نانِ شعیر کے سوا کچھ نہ کھایا، اخراجات کے لئے صرف چالیس درم (پاکستانی آٹھ روپے بارہ آنے) ماہوار خزانے سے لیتے رہے اور وہ بھی وقتِ وفات اپنا اثاثہ بیچ کر داخل خزانہ کر گئے، تو پھر ہم ایک ہی نتیجہ پہ پہنچتے ہیں کہ آپ کا اسلام خالصتہً للہ تھا اور آپ کا مقصد اللہ کی رضا و رحمت کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (حشر ۸/۱)

(رُفقائے رسولؐ کا مقصد اللہ کی رحمت و رضا تھا)

اگر ہم ملّا باقر مجلسی کے اس قول کو تسلیم کر لیں کہ خلفائے ثلٰثہ شروع سے منافق چلے آتے تھے تو پھر سوال پیدا ہوگا۔

۱۔ کہ جب مکہ کی تمام قوت پوری تیاری کے ساتھ میدانِ بدر میں جمع ہو گئی تھی اور دوسری طرف اسلام اس قدر ضعیف اور بے سروسامان تھا کہ معمولی سی کوشش سے ختم ہو سکتا تھا ان لوگوں نے حضورؐ کا ساتھ کیوں دیا؟ دورانِ جنگ میں بھاگ کر دشمن سے کیوں نہ جا ملے؟ آخر نفاق کا تقاضا تو اسلام کی شکست ہی سے پورا ہو سکتا تھا۔ کیا جن خلفا نے سارے جہان کو اسلام دیا، وہ خود کافر تھے؟ لاکھوں بُت توڑے وہ خود بت پرست تھے؟ پندرہ ہزار سے زائد اللہ کے گھر (مساجد) بنوائے، اُن کا اپنا دل اللہ کا گھر نہ بن سکا؟ اگر روایات بالا کو صحیح سمجھا جائے۔ تو تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ ہمیں ایک ایسی جماعت ملتی ہے، جو خود

کافر تھی لیکن زندگی بھر اسلام پھیلانے کے لیے کافروں کے خلاف لڑتی رہی۔ نمازیں پڑھتی اور پڑھاتی رہی۔ انصاف کرتی اور کراتی رہی، قرآن کے لاکھوں نسخے تیار کر کے اطرافِ عالم میں بھیجتی رہی اور سب کچھ اللہ کی راہ میں دیتی رہی۔

یہ بھی تو سوچیے کہ اُس زمانے کی خلافت تھی کیا؟ نہ اردلی، نہ نوکر، نہ محل نہ باغ نہ گھوڑا نہ گاڑی، نہ زینت نہ ٹھاٹھ، سوکھی روٹی، خاک کا بستر، رات بھر عبادت یا پہرہ، دن بھر عدالت یا مزدوری، بیواؤں کے گھروں میں جھاڑو دینا، مشک پیٹھ پر لاد کر اُن کے گھڑوں میں پانی بھرنا، مشاہرہ صرف چالیس درہم یعنی آٹھ روپے بارہ آنے ماہوار۔ انصافاً فرمائیے کہ ایسی خلافت میں کون سی کشش ہو سکتی تھی؟ کہ صدیقؓ و فاروقؓ گھر بار، وطن، اقارب، آرام، عیش سب کچھ قربان کر کے مصیبتوں کا یہ ہار اپنے گلے میں ڈالتے؟

عبداللہ بن سبا خلفائے ثلٰثہ کے کفر و نفاق کا اعلان تو کر بیٹھا لیکن بات کو نبھا نہ سکا، جب اُس سے کہا گیا کہ اگر تمام صحابہ کو مرتد قرار دیا جائے تو یہ قرآن صحیح ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ حضور صلعم کے بعد تمام سفید و سیاہ کے مالک یہی لوگ تھے۔ قرآن انہی کے ہاتھوں سے نکل کر اطرافِ ممالک میں پہنچا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے خدا و رسول سے عناد کی وجہ سے قرآن کو مسخ کر دیا ہو گا۔ ابن سبا کو جب کوئی راہ نہ ملی تو اُس نے قرآن کے محرف ہونے کا اعلان کر دیا۔ الغرض ایک مرتبہ جب خشتِ بنیاد ٹیڑھی رکھ دی گئی تو فلک تک دیوار ٹیڑھی چلی گئی۔ اصلاح و

درستی کی تمام کوششیں برباد جاتی رہیں، ملت براہیمی میں پھوٹ پڑ گئی، حرم کی دیواروں میں شگاف آ گئے اور اہل حرم عقائد کے بت بغلوں میں دبائے صنم خانوں میں جا بیٹھے

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے
ترا طریق فقیہانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندۂ حر کے مشاہدات ہیں کیا
تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے

ایمان خلفا پہ قرآن کی شہادت

۱۔ جنگ بدر میں مسلمانوں نے چند حملہ آوروں کو قیدی بنا لیا تھا۔ ان کے متعلق حضور صلعم نے صحابہ سے مشورہ لیا۔ یہ تمام کہانی امامیہ کی مشہور تفسیر مجمع البیان میں یوں درج ہے۔

قال عمر بن الخطاب یا رسول اللہ کذّبوک واخرجوک فهؤلاء مقدمیهم واضرب اعناقهم ومکّن علیًا من عقیل فیضرب عنقه ومکّنی من فلان اضرب عنقه فان هؤلاء ائمة

الکفر وقال ابوبکر اھلک وقومک خذ منھم فدیۃ یکون لنا قوۃ

(حضورؐ کے استفسار پر عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور وطن سے بے وطن کیا۔ یہ سب قیدی اپنی قوم کے سردار ہیں۔ ان کی گردن ماردی جائے۔ اس کام کے لیے عقیل علی کے حوالے کیجئے۔ اور فلاں مجھے دیجئے۔ میں ابھی اُس کا سر اڑاتا ہوں۔ یہ سب سرداران کفر ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ سب آپ کے رشتہ دار ہیں۔ ان سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے۔ یہ فدیہ کی رقم ہمارے لیے باعثِ قوت ثابت ہوگی)

امامیہ کی بعض دیگر تفاسیر میں بھی یہ واقعہ اسی طرح درج ہے۔ مثلاً

"روزِ بدر ہفتاد تن اسیر شدند حضرت در باب ایشاں با صحابہ مشورت کرد، ابوبکرؓ کہ از مہاجرین بود گفت ....." (خلاصۃ المنہج)

(بدر کے دن ستر آدمی قیدی ہوئے حضورؐ نے ان کے متعلق صحابہ سے مشورہ لیا۔ ابوبکرؓ نے کہ مہاجرین سے تھے کہا.....)

امامیہ کے ایک فاضل ابن جمہور نے "غوالی اللآلی" میں نیز ایک اور فاضل علامہ رازی نے اپنی تفسیر میں اسی واقعہ کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ البتہ ان دونوں کے ہاں اتنا اضافہ ہے کہ حضورؐ نے مشورہ سن کر فرمایا۔

فمثلک یا ابابکر مثل ابراھیم اذ قال فمن تبعنی فانہ

منی ومن عصانی فانک غفور رحیم ومثلک یا عمر مثل نوح اذ قال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔

(کہ اے ابو بکرؓ تم ابراہیمؑ کی طرح نرم دل ہو۔ ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ جو شخص مجھے مانے گا وہ میرا بن جائے گا۔ اور دوسرا فرمان، تمہارے رب تو غفور و رحیم ہے۔ اور اے عمرؓ تم نوحؑ کی طرح سخت گیر ہو۔ نوحؑ نے کہا تھا اے رب! اس زمین پر ایک کافر بھی زندہ نہ رہنے پائے)

بعد میں وحی نے حضرت عمرؓ کی تائید کر دی۔

ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فی ما اخذتم عذاب عظیم۔ (انفال ٨/ ٦٧-٦٨)

(جب تک نبی خونریزی کے بعد غلبہ حاصل نہ کر چکے، اسے قیدی پاس رکھنا، درست نہیں، تم متاع دنیا چاہتے ہو، اور اللہ کے سامنے آخرت ہے۔ اللہ غالب صاحب حکمت ہے۔ اگر تمہاری بقا کا فیصلہ ہم پہلے ہی نہ کر چکے ہوتے۔ تو اس فدیہ گیری کے عوض ہم تمہیں عذاب میں مبتلا کر دیتے)

اس دھمکی کے بعد حضورؐ نے توبہ کی۔ اور فرمایا کہ

لو نزل عذاب من السماء ما نجا منہ غیر عمر بن الخطاب

و سعد بن معاذ۔

(امامیہ کی مشہور تفسیر مجمع البیان)

(اگر آسمان سے آج عذاب نازل ہوتا۔ تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے سوا کوئی نہ بچتا (ان دونوں نے قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تھا))

امامیہ کی ایک اہم کتاب ”**حملہ حیدری**“ میں جنگ بدر کے متعلق لکھا ہے۔

”پس ازیں خبر سید المرسلین　　یکے انجمن ساخت با اہلِ دیں
شمارا کنوں چیست تدبیر کار　　کہ دشمن رسید از پئے کارزار
بپاسخ ابوبکرؓ از جائے خاست　　وزاں پس عمرؓ نیز قد کرد راست
بگفتند یا سید المرسلین　　قدم پیش بگذار و ما را بہ بیں
کہ ما دشمن دین چہا می کنیم　　چساں در رہت جاں فدا می کنیم

(اس خبر کے بعد حضور صلعم نے صحابہ کو طلب کر کے پوچھا کہ دشمن سر پہ آگیا ہے کیا کرنا چاہیے۔ جواب کے لیے ابوبکر و عمر جگہ سے اٹھے اور کہا۔ اے سرورِ انبیاء آگے بڑھیے اور ملاحظہ فرمائیے کہ ہم دشمن سے کیا سلوک کرتے ہیں۔ اور آپ پہ جان کس طرح قربان کرتے ہیں)

جنگ بدر میں فوجیں دو ہی تھیں۔ ایک کفار مکہ کی اور دوسری پیروان اسلام کی جس میں خلفائے ثلاثہ بھی شامل تھے۔ کفار غلبۂ کفر کے لیے لڑ رہے تھے اور مسلمان اعلائے کلمۃ الحق کے لیے۔ قرآن ان دونوں افواج کا یوں ذکر

کہتا ہے۔

قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ۔ (عمران ۱۳/۳)

(ان دو افواج میں جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئیں۔ تمہارے لیے ایک نشان موجود تھا۔ ان میں ایک اللہ کی خاطر لڑ رہی تھی اور دوسری کافر تھی)

قرآن نے اس مسلم فوج سے خلفائے ثلاثہ کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ اہل بدر کے متعلق امامیہ کے دو مفسرین کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔

"خدائے تعالیٰ بدریاں را وعدۂ مغفرت دادہ وایشاں را بخطاب مستطاب اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم نوازش فرمودہ" (خلاصۃ المنہج)

(اللہ نے اہل بدر سے وعدۂ مغفرت کیا اور اُن سے فرمایا جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخشا)

لعل اللہ اطلع علی اھل البدر فغفرلھم فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم

(شاید اللہ کو اہل بدر کے دلوں کا حال معلوم ہو گیا تھا اور اسی سبب ان کے گناہ معاف کر دیے تھے، چنانچہ کہا۔ کرو جو دل چاہے کہ ہم نے تمہارے گناہ معاف کر دیے ہیں)

۲۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی تعداد سات سو کے قریب تھی اور دشمنوں کی تین ہزار، چنانچہ مسلمانوں کے دو گروہ گھبرا سے گئے۔ اور حوصلہ ہارنے لگے اگر خلفائے ثلثہ کو ان گھبرانے والے گروہوں میں شامل کر دیا جائے تب بھی اللہ کی نصرت و حمایت سے محروم نہیں رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کی نصرت اہل ایمان ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

اذ ھمّت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔ (عمران ۱۳/۱۲۱)

(یاد کرو وہ وقت جب تمہارے دو گروہوں نے ہمت ہار دینا چاہی۔ حالانکہ خدا ان دونوں کا حامی و ناصر تھا۔ اہل ایمان کو خدا ہی پہ تکیہ کرنا چاہیئے۔)

۳۔ ۶ھ میں حضور صلعم اندازاً چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے ارادے سے نکلے۔ چونکہ اہل مکہ سے تصادم کا بھی خطرہ تھا۔ اس لیے بدوی قبائل کو بھی ساتھ جانے کی ترغیب دی لیکن وہ نہ مانے۔ مکہ کے قریب حُدیبیہ کے میدان میں پہنچے۔ تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ حضورؐ سمجھ گئے کہ شاید یہاں سے آگے جانا نصیب نہ ہو۔ آپ نے پہلے خراش کو گفتگو کے لیے قریش مکہ کے ہاں بھیجا۔ وہ ناکام لوٹے تو حضرت عثمانؓ کو روانہ فرمایا۔ اُن کو دیر لگی تو کسی نے یہ غلط اطلاع دی کہ عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس پر حضورؐ جلال میں آگئے

جہاد کا اعلان فرما دیا۔ اور صحابہ سے کہا کہ جو لوگ جہاد میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ وہ اُن کے دستِ اقدس پہ بیعت کریں۔ حضرت عثمان کی طرف سے حضورؐ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پہ مار کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔ ایک منافق قید بن قیس کے سوا باقی تمام بیعت پہ قائم رہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرتِ عثمان کی خبرِ ہلاکت غلط تھی۔ بالآخر صلح ہو گئی۔ حضورؐ واپس لوٹے۔ تو راہ میں سورۂ "فتح" نازل ہوئی۔ اس میں بایعین کو رضائے خداوندی کی بشارت دی گئی تھی۔ ان میں خلفائے ثلٰثہ بھی شامل تھے۔ اور اُن بدوی قبائل کے متعلق جو شاملِ مہم نہیں ہوئے تھے کہا گیا کہ یہ عنقریب جنگِ خیبر میں مالِ غنیمت کی خاطر شامل ہونا چاہیں گے۔ انہیں قطعاً شامل نہ کرنا۔

ان تفاصیل کی تائید تاریخ امامیہ سے یوں ہوتی ہے۔

> "از جابر بن عبداللہ انصاری روایت است کہ ما دراں روز ہزار و چہار صد کس بودیم، دراں روز من از حضرت پیغمبر خدا صلعم شنیدم کہ آں حضرتؐ خطاب باحاضران نمود و فرمود کہ شما بہترین اہل روئے زمین اید و ما ہمہ دراں روز بیعت کردیم و کسے از اہل بیعت نکث ننمود مگر **قید بن قیس** کہ آں منافق بیعت خود را شکست۔"
>
> (کشف الغمہ، ترجمہ فارسی)
>
> (جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم اُس روز تعداد

میں چودہ سو تھے۔ میں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ سنا: آپ نے بایعین کو یہ فرمایا کہ تم تمام زمین کے انسانوں میں بہترین ہو۔ ہم سب نے بیعت کی اور ایک منافق قید بن قیس کے سوا کسی نے بیعت نہ توڑی)

بیعت عثمانؓ کے متعلق کافی کلینی (کتاب الروضہ) میں لکھا ہے۔

وبایع رسول اللہ المسلمین وضرب صلعم باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان وقال المسلمون طوبی لعثمان قد طاف بالبیت۔

(حضور صلعم نے مسلمانوں سے بیعت لی اور عثمانؓ کی طرف سے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پہ مار کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمانؓ کی طرف سے ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں نے کہا۔ عثمانؓ کو مبارک ہو کہ طواف کعبہ کی سعادت نصیب ہوئی)

حملۂ حیدری نے بعض جزئیات واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

بوسید عثمانؓ زمین را وزاں   بمقصد رواں شد چو تیر از کماں
چو او رفت اصحاب روزِ دگر   بگفتند چندیں بہ خیر البشر
خوشا حالِ عثمان با احترام   کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسولِ خدا چوں شنید این سخن   بہ پاسخ چنیں گفت با انجمن
بہ عثماں نداریم ما این گماں   کہ تنہا کند طوف این آستاں

(جب حضورؐ نے عثمانؓ کو مکہ میں جانے کا حکم دیا، تو عثمان نے پہلے زمین

کو بوسہ دیا اور پھر اس تیزی سے روانہ ہوا کہ جیسے تیر کمان سے نکلے۔ اُس کے جانے کے بعد دوسرے دن صحابہ حضورؐ سے کہنے لگے، عثمانؓ کتنا خوش نصیب ہے کہ اُسے طواف بیت الحرام کی سعادت حاصل ہو گی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ عثمانؓ کے متعلق میرا یہ گمان نہیں کہ وہ ہم سے الگ بیت اللہ کا تنہا طواف کرے گا)

قرآن کی کہانی یوں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔۔ سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْھَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْکُمْ، یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا کَذٰلِکُمْ۔ (الفتح ۱۰، ۱۵)

(جو لوگ آج تم سے بیعت کر رہے ہیں۔ وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے...... جب تم خیبر سے مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے مدینہ سے چلو گے تو وہ پیچھے رہ جانے والے بدوی قبائل ساتھ جانے پہ اصرار کریں گے۔ اُن کا مقصد اللہ کی بات کو بدلنا ہو گا۔ انھیں کہہ دینا کہ تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے)

اگر اصحابِ ثلٰثہ ان مخلفین میں ہوتے یا دلوں میں نفاق ہوتا۔ تو حضورؐ انھیں کبھی مہم خیبر میں شامل نہ فرماتے۔

اسی سورت میں یہ آیت بھی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ (فتح ۳/۱۸)

(اللہ مسلمانوں سے کتنا ہی خوش ہوا۔ جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ اُن کی کیفیات دل سے باخبر تھا۔ چنانچہ اُن پہ تسکین نازل کی اور ساتھ ہی فتح بھی دی)

ان آیات سے واضح ہوا کہ خلفائے ثلاثہ مومن تھے۔ اور کہ اللہ کی رضا و خوشنودی اُن کے شامل حال تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ذرا آگے چل کر ایک آیت میں اللہ نے تقویٰ اور اصحاب رسولؐ کو لازم و ملزوم بنا دیا ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ (فتح ۳/۲۶)

(اللہ نے رسولؐ اور اُس کے اصحاب پہ تسکین نازل کی اور تقویٰ اُن سے لازم کر دیا)

۴۔ اللہ نے اُن مسلمانوں سے، جو حضور صلعم کے ساتھ تھے، "تین وعدے کئے تھے۔ اول۔ کہ انھیں حکومت عطا فرمائے گا۔ دوم۔ کہ اُن کے دین کو استحکام بخشے گا۔ سوم، کہ انھیں اتنا طاقتور بنا دے گا کہ دیگر اقوام کی یورشوں سے بے خطر ہو جائیں

یہ تینوں وعدے خلفائے اربعہ کے عہد میں پورے ہوئے۔ انھیں حکومت ملی، اسلام جزیرۂ عرب کی حدود سے نکل کر ایران، عراق، شام، مصر، ایشیائے صغیر، ترکستان اور افغانستان تک پھیل گیا۔ اور مسلمان اس قدر طاقتور بن گئے کہ کسی قوم کو ان کی طرف نگاہ تک اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ حضور صلعم کے عہد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار لاکھ تھی۔ حدود سلطنت دو لاکھ مربع میل سے زیادہ نہیں تھیں اور پھر رقیب روم و ایران کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ لیکن ۳۵ھ کے آخر میں حدود سلطنت چالیس لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھیں۔ مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ سے متجاوز ہو گئی تھی۔ ساسانی مٹ چکے تھے، قیصر روم کو مشرقِ وسطیٰ سے نکال دیا گیا تھا۔ جلال آباد سے لے کر کوہ قاف کے دامنوں تک اور دوسری طرف سمرقند سے لیبیا تک ہزارہا مساجد تعمیر ہو گئی تھیں جن میں خدائے واحد کی پرستش ہوتی تھی۔ ہر گھر تلاوت قرآن کے زمزموں سے معمور تھا اور ہر دل عشق خدا و رسولؐ سے سرشار۔ کیا یہ بات تصور میں بھی آ سکتی ہے۔ کہ جن حضرات نے ہزار مساجد بنوائیں، لاتعداد بت توڑے، سینکڑوں آتش کدے ٹھنڈے کئے اور ایک کروڑ مشرکوں کو مسلمان بنایا وہ خود منافق و مرتد ہی رہے؟ کیا اندھیرا کبھی روشنی دے سکتا ہے؟ کیا مار و کژدم سے شہد مل سکتا ہے؟ کیا آپ کسی ایسے ہندو، عیسائی یا یہودی فرمانروا کا نام بتا سکتے ہیں جو خود تو اسلام کا دشمن رہا ہو لیکن اس کی تمام تر طاقت اسلام پھیلانے میں صرف

ہوئی ہو؟ ایسا کبھی نہیں ہوا، اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔ اگر خلفائے ثلٰثہ کو کافر سمجھا جائے تو خدا پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ اُس نے وعدۂ خلافت تو اہلِ ایمان سے کیا تھا لیکن دے دی کافروں کو۔ اور ایسے رسولؐ کو ہم دنیا کے سامنے پیش ہی کیسے کر سکتے ہیں جس کی تمام پیش گوئیاں غلط ثابت ہوئیں جس کے خدا کے تمام وعدے جھوٹے نکلے اور جس کی گدی پر اُن کی آنکھ بند ہوتے ہی "منافق و مرتد" قابض ہو گئے۔

عزیز بھائیو! اسلام کی یہ تصویر اُن روایات میں ملتی ہے جو اعدائے اسلام نے "توہینِ رسولؐ، ضعفِ ملت اور تحقیرِ اسلام کی خاطر وضع کی تھیں ورنہ امامیہ کی صحیح روایات میں اسلام کا نقشہ بعینہٖ وہی ہے جو اہل سنت کے ہاں ملتا ہے۔ ہم اوراقِ گذشتہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے کئی اقوال خلفائے ثلٰثہ کے ایمان و تقویٰ پہ درج کر چکے ہیں اور بیسیوں آگے درج ہوں گے۔ امامیہ کے متبحر اہل علم انہی روایات کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ایک فاضل اہل قلم جسٹس سید امیر علی مرحوم نے "تاریخ عرب" لکھتے وقت انہی کو پیشِ نظر رکھا تھا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ لَيُمَكِّنَنَّ
لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ

مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ وَلَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۔ (سورۂ نور ۵۵)

(اللہ اُن لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں۔ جن کے اعمال پاکیزہ ہیں اور جو رُفقائے رسول میں سے ہیں (منکم) تین وعدے کرتا ہے کہ انھیں پہلی امتوں کی طرح زمین کی بادشاہت دے گا کہ اُن کے دین کو جو اللہ کا پسند کردہ ہے، استحکام بخشے گا۔ اور اُن کے خوف کو امن میں بدل ڈالے گا **یہ لوگ میری ہی عبادت کریں گے** اور **میری خدائی میں کسی کو شریک** نہیں ٹھہرائیں گے)

اس آیت میں وعدوں کے ساتھ ایک پیشن گوئی بھی ہے کہ "وہ لوگ میری ہی عبادت کریں گے ...." تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ خلفائے اربعہ نفس آخریں تک صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے رہے اور بقول امیر علیہ السلام

"اسلام میں ابوبکرؓ و عمرؓ کا ایک خاص مقام تھا۔ اِن کی وفات اسلام کے لیے ایک گہرا زخم ہے رحمہما اللہ وَجَزَاھما باحسن ما عملا (اللہ اُن پر رحم کرے اور انھیں اعمال حسنہ کی جزائے خیر دے"

(نہج البلاغت مرتبہ رئیس احمد جعفری ضمیمہ ص ۲۷۵)

خلاصۃ المنہج میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے۔

"وعدہ داد خدائے آناں را کہ گرویدہ اند از شما و کردہ اند کارہائے شائستہ

ہر آئینہ ایشاں را دَر زمین کفار از عرب و عجم خلیفہ گرداند۔"

(اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لا کر تم میں شامل ہو چکے ہیں اور جن کے اعمال عمدہ ہیں، وعدہ کر رکھا ہے کہ انھیں کفار کی سرزمین یعنی عرب و عجم پر خلیفہ بنائے گا۔

کون نہیں جانتا کہ عجم پر حملہ عہد صدیقؓ میں ہوا تھا اور اس کی تسخیر دورِ فاروقؓ میں ہوئی۔ بہ الفاظ دیگر اس امامی مفسر نے صدیقؓ و فاروقؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے

شافی میں۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (مائدہ ۱/۴)

(میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا ہے)

کے تحت درج ہے۔

.... ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم خرج عن الدنیا کان دینہ تماماً والا یلزم ان یکون للامۃ حجۃ وکذا فی وقت الخلفاء (شافی شرح کافی، کتاب العقل والبدع)

کہ ہمارے نبی صلعم اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ اُن کا لایا ہوا دین مکمل ہو چکا تھا۔ ورنہ اُمت خدا پہ اعتراض کرتی (کہ کیوں وعدے کے باوجود اسلام کو نامکمل چھوڑ گئے) اور اسی طرح خلفا کے وقت میں بھی دین مکمل تھا)

خلفا کے ارتداد، غصبِ خلافت اور تحریفِ قرآن کی صورت میں کمالِ دین کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی ۔

قرآن میں اُن لوگوں کی جن سے وعدۂ خلافت کیا گیا تھا، ایک علامت بیان کی گئی ہے ۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (حج ۷/۴۱)

(اگر ہم نے ان مسلمانوں کو سلطنت عطا کی تو یہ لوگ نمازیں قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کی تبلیغ میں سرگرم ہو جائیں گے، اور بدی سے روکیں گے)

اس آیت سے پہلے اُن مہاجرین کا ذکر ہے جنھیں کفار نے مکہ سے اس بنا پر نکال دیا تھا کہ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وہ صرف اللہ کو اپنا رب کہتے تھے ۔ انہی مہاجرین کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر ہم نے انھیں سلطنت دی تو وہ نمازیں قائم کریں گے...... اور اتفاق دیکھیے حضور صلعم کے بعد خلافت انہی مہاجرین کو ملی اور ادائے صلوٰۃ کی یہ کیفیت، کہ ۳۵ھ تک اندازاً چالیس لاکھ مربع میل زمین ان کے قبضے میں آ چکی تھی ۔ اگر مسلمان کے دو گھر بھی کہیں موجود ہوں تو وہ مسجد کے لیے پوری عمارت یا ایک احاطہ سا الگ بنا لیتے ہیں ۔ اگر اُس زمانے میں دو سو مربع میل میں بھی ایک چھوٹی بڑی بستی کا وجود تسلیم کیا جائے اور ہر بستی میں کم از کم ایک مسجد فرض کی جائے تو ان مساجد کی تعداد بیس ہزار بنتی ہے ۔ اور نمازیوں

کی اندازاً ایک کروڑ۔ تو جن خلفا نے کم از کم بیس ہزار مساجد بنوائیں، ایک کروڑ نمازی پیدا کیے۔ اور ایک لاکھ سے زائد قرآن کے نسخے تیار کرائے، وہی آیتِ بالا کے مصداق ہو سکتے ہیں۔

اس کی مزید تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰی اَنْ
یَکُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ۔ (توبہ ۳/۱۸)

(اللہ کی مساجد وہی آباد کرتا ہے۔ جو خدا و آخرت پہ ایمان رکھتا، نمازیں پڑھتا زکوٰۃ دیتا اور صرف اللہ سے ڈرتا ہو۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہو سکتے ہیں)

قبل از ظہورِ پاکستان راولپنڈی میں ایک سکھ رہا کرتے تھے سردار آتما سنگھ نامدھاری۔ انھوں نے اپنے مربعات میں مسلم مزارعین کے لیے صرف ایک مسجد بنوائی تو سارا علاقہ انھیں مسلمان سمجھنے لگا یہاں تک کہ سیرت کے جلسوں میں دور دور تک انھیں مدعو کیا جاتا تھا۔ حیرت ہے کہ ایک سکھ صرف ایک مسجد بنائے تو وہ مسلم شمار ہو۔ اور خلفائے ثلٰثہ بیس ہزار مساجد بنواتے اور ایک کروڑ مشرکوں کو لذتِ اسلام سے شاد کام کرنے کے بعد بھی مسلمان نہ ہو سکیں؟

۵۔ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ جہاد صرف امام وقت کر سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ خلفا کی ساری زندگی جہاد میں بسر ہوئی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُن کا

جہاد اسلامی تھا۔ یا غیر اسلامی۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے۔ اس میں مظلوموں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ اور امام کی کوئی قید نہیں۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط

(حج ۲/۳۹ - ۴۰)

(جن مظلوم مسلمانوں کے سر لڑائی تھوپی جاتی ہے۔ انھیں جہاد کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور اللہ ان کی حمایت پہ قادر ہے۔ یہ وہی مسلمان ہیں جنھیں بے سبب محض اس جرم پہ کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتے تھے، گھروں سے نکال دیا گیا ہے....)

- اگر آج ہمارے وطن پہ کوئی طاقت حملہ کر دے۔ یہاں کے باشندوں کو نہ تیغ، مستورات کو بے حرمت اور معابد کو ڈھانا شروع کر دے۔ تو کیا ہم اپنی مدافعت میں اُس وقت تک تلوار نہیں اٹھائیں گے۔ جب تک امامِ وقت اجازت نہ دے۔ امام ظاہر کے وجود سے دنیا خالی ہے اور امام غائب سے حصولِ اجازت ممکن نہیں۔ تو کیا اس صورت میں ہماری مدافعت ناجائز، اور موت حرام تصور ہوگی؟ کیا ہم یہ بات مغربی اقوام کے کسی فرد کو سمجھا سکتے ہیں اگر قرآن میں ہماری تمام دنیوی و اُخروی مشکلات کا حل موجود ہے۔ تو پھر امام کی غیر حاضری میں دقتِ بالا کیسے رفع ہوگی؟

اس موضوع پر امام جعفر صادقؑ کا فیصلہ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے ایک سائل نے امام موصوف سے پوچھا کہ جہاد کی اجازت کن لوگوں کو ہے۔ فرمایا ان کو جو۔

التائبون، العابدون، الحامدون، السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ ..... لا یکون ماذوناً فی القتال حتی یکون مظلوماً ...

(تائب، عابد، حمد گو، تسبیح خواں، راکع، ساجد، نیکی کے مبلغ، بدی سے مانع اور حدودِ الٰہی کے محافظ ہوں کسی آدمی کو، جب تک کہ وہ مظلوم نہ ہو جہاد کی اجازت نہیں)

سائل نے کہا کہ یہ آیت تو ان مہاجرین کے متعلق تھی جنھوں نے مشرکین مکہ سے جنگ کی تھی۔ لیکن ان لوگوں (خلفائے ثلاثہ) کے متعلق کیا رائے ہے جنھوں نے کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا تھا۔ فرمایا۔

ولکن المھاجرین ظلموا من جھتین ظلمھما اھل مکۃ باخراجھم من دیارھم واموالھم فقاتلوھم باذن اللہ عز وجل لھم فی ذلک وظلمھم کسریٰ وقیصر ومن کان دونھم من قبائل العرب والعجم ..... فقد قاتلوھم باذن اللہ ..... (فروع کافی جلد ۲، ص ۹۰۵)

(مہاجرین پہ دو طرح ظلم ہوا۔ اہل مکہ نے یوں ظلم کیا کہ انھیں گھر بار سے

نکال دیا۔ پس یہ مہاجرین باذن اللہ ان سے لڑے، ان پر قیصر و کسریٰ
اور ان کے علاوہ قبائلِ عرب و عجم نے بھی ظلم کیا۔ اور ان سے بھی انھوں نے
باذن خدا جنگ کی)

اس حدیث سے ظاہر ہے۔ کہ امام جعفر صادقؑ خلفائے ثلثہ کے جہاد کو جائز اور خود انھیں تائب، عابد، راکع و ساجد سمجھتے تھے۔ قیصر و کسریٰ سے جہاد انھیں خلفا نے کیا تھا۔

خلاصۃ المنہج میں اس آیہ کے تحت لکھا ہے۔

”در ایں آیہ وعدہ داد مظلوماں را بہ نصرت، و وفا نمود، بوعدہ آں
چہ تسلیطِ مہاجر و انصار نمودہ بر صنادیدِ قریش و اکابر و اکاسرہ عجم و قیاصرہ
ایشاں۔ و زمین و دیار ایشاں بہ مسلماناں تفویض نمود، پس ایں آیہ
اخبار از غیب است، چہ ایں نصرت بعد از ایں بظہور رسیدہ“

(اس آیہ میں اللہ نے مظلوموں کی امداد کا وعدہ کیا۔ نیز اسے پورا یوں
کیا کہ مہاجرین و انصار کو اکابر قریش، اکاسرہ ایران اور قیاصرہ روم
پہ فتح دی۔ اور ان کی سرزمین مسلمانوں کے حوالے کر دی۔ یہ آیہ ایک
قسم کی پیش گوئی ہے کیونکہ یہ فتح بعد میں (خلفائے ثلثہ کے زمانے میں)
ہوئی تھی)

قرآن میں مہاجرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت

۸۸ کی تھی۔ ایک ہجرت حبشہ کی طرف بھی ہوئی تھی۔ جو ہجرتِ اولیٰ یا ہجرت صغریٰ کہلاتی ہے۔ اس میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ دوسری ہجرت کافی بڑے پیمانے پہ تھی۔ اس میں کلام نہیں کہ مدینہ میں بعض منافقین بھی حضورؐ پر نور کے گرد جمع ہو گئے تھے لیکن ان تمام کا تعلق مدینہ و نواح مدینہ سے تھا۔ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی موجود نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کسی مہاجر میں بھی نفاق موجود تھا۔ پھر یہ منافقین زیادہ دیر تک حجاب میں نہ رہ سکے۔ ان کی حرکات ہی ایسی تھیں کہ انھیں پکڑنا دشوار نہ تھا۔ کبھی حضور صلعم پہ نکتہ چینی کرتے کبھی جہاد سے کترانے کے بہانے ڈھونڈتے، کبھی حضورؐ کی محفل میں رَاعِنَا وغیرہ جیسے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے اور کبھی اسلامی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے مختلف افواہیں پھیلاتے حضورؐ کی اپنی بصیرت غیر معمولی تھی اور پھر وحی کی مدد بھی شامل۔ بچ کر کہاں جا سکتے تھے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى
يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ (عمران ۱۸/۱۷۸)

(اللہ اہل ایمان کو موجودہ حالت پہ نہیں رہنے دے گا۔ بلکہ خبیث و طیب کو الگ الگ کر کے چھوڑے گا)

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ
قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۔ (توبہ ۸/۶۴)

(منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں وحی مسلمانوں کو اُن کے نفاق کی خبر نہ کر دے انھیں کہہ دو کہ کچھ دیر اور تمسخر اڑا لو ہم تمہارے دل کی کیفیت سے پردہ اُٹھا کر ہی رہیں گے)

یہ منافق سب کے سب مدینہ و اطراف مدینہ کے رہنے والے تھے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ ۚ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط (التوبہ ۱۱/۱۰۱)

(تمہارے آس پاس کے بعض اعراب منافق ہیں۔ اور مدینہ کے بعض باشندے بھی نفاق پہ اڑے ہوئے ہیں۔ انھیں ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے)

ان منافقین کو اللہ نے سو طریقوں سے بے نقاب کیا اور متعدد علامات بتائیں مثلاً

۱۔ "جب یہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم مومن ہیں۔ اور جب اپنے شیاطین کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف تمسخر اڑانے کے لئے مسلمانوں کے ہاں جاتے ہیں۔" (البقرہ ۱/۱۴)

کیا کوئی مورخ یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی ہجرت۔ اُن کا جہاد۔ اُن کی بے پناہ قربانی نمازیں اور روزے مسلمانوں سے تمسخر اڑانے کے لئے تھے؟ انھوں نے بدر و حنین میں مذاقاً اپنے ہی بھائیوں کو تہ تیغ کیا تھا؟ اور گھر بار استہزاءً لٹا دیا تھا؟ اور پھر وہ اس قدر ہوشیار تھے کہ خدا و رسولؐ کو ان کے نفاق کی خبر نہ ہوئی؟ اور

ایک آیت تک اُن کی "عیاری" پہ نہ اُتری؟

۲۔ "خدا و آخرت پہ ایمان رکھنے والے مالی و جانی جہاد کے لیے اجازت نہیں مانگا کرتے (وہ اِن تکلفات سے بہت بالا ہوتے ہیں) اللہ اہلِ تقویٰ سے باخبر ہے۔ جہاد کی اجازت وہی مانگتے ہیں جو خدا و آخرت کے ایمان سے محروم ہیں۔ ان کے دلوں میں شکوک ہیں اور وہ انہی شکوک کی دنیا میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔" (توبہ ۹/۴۴ - ۴۵)

کیا کسی آیہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلفا نے بھی کسی جنگ سے بچنے کے لیے کوئی حیلہ بہانہ کیا ہو؟

۳۔ "منافقین نماز پڑھتے بھی ہیں تو نہایت الکسائے ہوئے اور اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو بہت بزدلی سے۔" (توبہ ۹/۵۴)

۴۔ "منافق مرد و زن ایک ہی چیز ہیں۔ یہ لوگ بدی کی تبلیغ کرتے اور نیکی سے روکتے اور ہاتھ بند رکھتے ہیں (کنجوس)۔" (توبہ ۹/۶۷)

۵۔ "اے رسول! منافقین میں سے بعض تقسیم صدقات کے سلسلے میں تم پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اگر انھیں کچھ مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں نہ ملے تو بگڑ جاتے ہیں۔" (توبہ ۹/۵۸)

۶۔ "جانی و مالی جہاد کے وقت یہ منافق گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں، اس پہ خوش ہوتے ہیں۔ وہ جہاد سے نفرت کرتے ہیں اور دوسروں سے کہتے ہیں کہ

اس لو میں گھروں سے مت نکلو۔ انھیں کہہ دو کہ جہنم کی آگ اس لو سے زیادہ گرم ہے۔ کاش کہ وہ سمجھ سکتے۔" (توبہ ۱۱/۸۱)

۷۔ "منافق اور مریض دل لوگ کہتے ہیں کہ خدا و رسولؐ کے وعدے جھوٹے ہوتے ہیں۔" (احزاب ۲/۱۲)

۸۔ جب منافقین کو احکام خدا و رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ آپ کے پاس آنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جب اپنے کیے کے وبال میں پھنس جاتے ہیں تو آ کر قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا مقصد تو احسان و تعاون ہے۔" (نسا ۹/۶۱ - ۶۲)

۹۔ "منافق چاہتے ہیں کہ تم بھی اسلام چھوڑ کر ان کے ہم سطح بن جاؤ۔" (نسا ۱۲/۸۹)

۱۰۔ "منافق مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے طرح دوستی ڈالتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ان کے ہاں عزت چاہتے ہیں۔ انھیں کہہ دو کہ تمام عزتیں اللہ کے پاس ہیں۔" (نسا ۲۰/۱۳۹)

۱۱۔ منافق اپنی قسموں کو آڑ بنا کر اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔" (منافقون ۱/۲)

۱۲۔ "یہ لوگوں کو کہتے ہیں کہ صحابہ رسول پہ کچھ بھی خرچ نہ کرو۔ تا کہ وہ بھاگ جائیں۔" (منافقون ۱/۷)

کیا ان میں سے ایک بات بھی خلفا میں موجود تھی؟ کیا وہ گھر بار، رشتہ دار، اور جائداد چھوڑ کر اڑھائی سو میل دور مدینہ میں محض منافقت کرنے گئے تھے؟ کیا ان کی جانبازی، مالی قربانی، ہزارہا میل تک اسلام پھیلانا۔ بت کدے گرانا، بیس ہزار مسجدیں بنوانا، قرآن کے کئی لاکھ نسخے لکھوا کر اقصائے قلمرو میں تقسیم کرنا اور

ایک کروڑ پرستارانِ اہرمن کو بندۂ یزدان بنانا مظاہرۂ نفاق تھا؟ اور یہ بھی عجیب قصہ ہے۔ کہ وہ تئیس برس تک رسولؐ کو اور بیس برس بعد کئی لاکھ مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہے۔ مسلمان اُن کے ہاتھوں پر بیعت کرتے رہے۔ اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ تمام معاملات دینی و دنیوی میں انھیں رہنما و حَکَم سمجھتے رہے۔ اور ان کا نفاق کسی ایک آدمی پہ بھی نہ کھل سکا؟ اور کھلا بھی ۸ تو عبداللہ بن سبا یہودی پر؟ کیا خدا و رسولؐ اور تمام مسلمان نقد و عیار کی حس سے محروم تھے؟ اور صرف ابنِ سبا اس صفت سے مُتصف تھا؟

اس میں کوئی کلام نہیں۔ کہ خلفا قرآن کی اصطلاح میں مہاجر تھے، اور مہاجرین کے متعلق بلا استثنا اللہ کا فیصلہ یہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ
مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ (انفال پ۱۰)

اس آیہ میں چار صفات والے لوگوں کو راسخ الایمان کہا گیا ہے۔

اول۔ جو رسولؐ پہ ایمان لائے۔ علامہ حلی شرح تجرید میں لکھتے ہیں۔

قَالَ علیہ السلام یومًا علی المنبر انا الصدیق الاکبر
انا الفاروق الاعظم اسلمت قبل ان اسلم ابوبکر
وَآمنت قبل ان آمَنَ

(ایک روز حضرت امیرؑ نے منبر پہ فرمایا کہ میں صدیقؓ اکبر اور فاروقؓ اعظم ہوں۔ میں نے ابوبکرؓ سے پہلے اسلام قبول کیا اور ایمان لایا)

حضرت امیر کے اس قول سے کم از کم حضرت ابوبکرؓ کا ایمان تو ثابت ہو گیا۔

دوم۔ کہ وہ مہاجر ہوں۔ سوم کہ مجاہد ہوں۔ چہارم کہ مہاجرین کے مددگار ہوں

اس تمہید کے بعد اب آیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

(جو لوگ ایمان لائے۔ ہجرت کی۔ اور خدا کی راہوں میں جہاد کیا اور جنھوں نے انھیں ٹھکانا دیا۔ اور ان کی مدد کی۔ یہ دونوں گروہ بلا ریب ایماندار ہیں۔ انھیں اللہ کی رحمت اور عمدہ رزق نصیب ہو گا)

اس آیت میں تمام مہاجرین کو بلا استثنا مومن کہا گیا ہے اور ان انصار کو بھی جنھوں نے ان مہاجرین کی مدد کی تھی۔ اگر کافی کلینی کی روایت کے مطابق صرف سلمان، ابوذر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو مسلمان سمجھا جائے۔ تو سوال پیدا ہو گا کہ وہ انصار کون تھے جن کا اس آیہ میں ذکر ہے کیونکہ یہ تینوں صحابی تو مہاجر تھے۔

پھر حضور صلعم کو حکم تھا۔

یا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ

(تحریم ۲/۱۰)

(اے نبی! کفار و منافقین سے لڑو اور ان پہ سختی کرو)

اور پھر یہ بھی ۔

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا (توبہ ۱۱/۸۲)

(ان منافقین کو کہہ دو کہ تم آئندہ میرے ہمراہ کسی فوجی مہم پہ نہیں جا سکتے اور نہ میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے لڑ سکتے ہو)

لیکن ہوا یہ کہ حضورؐ ان خلفا کو ہر جنگ میں ساتھ لے جاتے رہے، ان سے انتہائی محبت آمیز سلوک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان سے رشتہ داریاں بھی قائم کیں۔ دو سے دو لڑکیاں اپنے نکاح میں لیں اور ایک کو دو لڑکیاں دیں۔ اور یہ سب کچھ مدینہ میں ہوا، جبکہ حضورؐ کی بعثت پر ۱۴، ۱۵ برس گزر چکے تھے۔ جبریل کی آمد و رفت کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ منافقین کو بے نقاب کیا جا رہا تھا۔ اصحاب پر آسمان سے تعریف کے مینہ برسائے جا رہے تھے۔ ان حالات میں ممکن ہی نہیں تھا کہ رسول دشمنان اسلام سے رشتے گانٹھتا پھرتا۔ اور خدا خاموش رہتا جس اللہ نے حضورؐ کو ایک اندھے سے ذرا سی بے رخی برتنے پر فورًا ڈانٹ دی تھی (عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى) وہ حضورؐ کو کبھی معاف نہ کرتا اگر وہ اپنی بیٹیاں منافقوں کو دیتے یا اُن کی بیٹیوں سے خود شادی کرتے۔

منافقین کو اللہ نے چیلنج دیا تھا۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ

اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا -

(اگر یہ منافق، یہ دل کے روگی اور مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلانے والے اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو ہم اے رسول! انھیں ان کے پیچھے ڈال دیں گے۔ یہ تمہارے پڑوس میں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکیں گے، ان پر میری لعنت برسے گی۔ ہر جگہ پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔ یہ اللہ کا وہ قانون ہے جو گزشتہ اقوام میں بھی نافذ رہا۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی)

اس چیلنج میں تین دھمکیاں دی گئی ہیں کہ رسول کو ان کے پیچھے ڈال دیا جائے گا کہ وہ رسول کے پاس زیادہ دیر تک نہیں رہیں گے کہ انھیں قتل کر دیا جائے گا لیکن ہوا یہ کہ حضور صلعم نے ان سے انتہائی شفقت و محبت کا سلوک کیا، یہ اپنے عہد کی سب سے بڑی امپائر کے صدر رہے، نہ صرف زندگی میں حضور ص کے ساتھ رہے، بلکہ بعد از وفات بھی آپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حمد اللہ مستوفی، جو امامیہ کے ایک بلند پایہ جغرافیہ داں تھے ایک عجیب واقعہ بیان کرتے ہیں۔

«قاضی احمد دامغانی کی کتاب "استظہار الاخبار" اور قاضی رکن الدین جوینی کی تصنیف "مجمع آثار الملوک" میں لکھا ہے

کہ بنو فاطمہ[1] مغرب کے خلیفہ ششم الحاکم نے مدینہ کے ایک علوی کو لالچ دیا کہ وہ رسول کے روضہ سے ابوبکرؓ و عمرؓ کی نعشیں نکال لائے۔ اس مقصد کے لیے اُس نے اپنے گھر سے روضۂ رسول تک ایک سرنگ کھدوانا شروع کی۔ اُن دنوں مدینہ میں خوفناک آندھیاں آئیں، بجلیاں چمکیں اور بڑا اندھیرا ہو گیا، لوگ ڈر گئے، توبہ کرنے لگے اور بھاگ کر حرم رسول میں چلے گئے۔ یہ حالت اسی طرح رہی۔ آخر اُس علوی نے یہ راز کہیں ظاہر کر دیا اور نقب زن گرفتار ہو گئے۔ معاً حالات معمول پر آ گئے۔" (نزہت القلوب طبع ہالینڈ ۱۳۳۱ھ ص ۱۳)

قصہ کا ماحصل یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے پورا پورا زور لگایا لیکن حضورؐ اور خلفا کو بعد از موت بھی جدا نہ کر سکا۔

آیۂ زیر بحث (وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ . . . . .) کی تفسیر "مجمع البیان" میں یوں درج ہے۔

. . . ھاجروا من دیارھم واوطانھم یعنی مکۃ الی مدینۃ وجاھد ومع ذلک فی اعلاء دین اللہ والذین اووا ونصرو

---

[1] ابتدا میں ان خلفا کا دار الخلافہ تونس کے قریب ایک شہر مہدیہ تھا اور بعد میں مصر۔ یہ شیعہ تھے۔ اور خلفائے ثلاثہ کو برا سمجھتے تھے۔ ان خلفا کی تعداد چودہ تھی اور عہد حکومت از ۲۹۷ھ تا ۵۶۷ھ۔ ان کے چھٹے فرمانروا حاکم نے کوشش کی کہ روضہ رسولؐ سے ابوبکرؓ و عمرؓ کی نعشیں نکلوا لے لیکن کامیاب نہ ہوا۔

لے ضمّوهم اليهم ونصروا النبي اولئك هم المومنون حقّاً لے
اولئك الّذين حققوا ايمانهم بالهجرة والنصرة ۔

(جن لوگوں نے اپنا وطن چھوڑا، اور مکہ سے مدینہ میں آئے، پھر سربلندی اسلام کے لیے جہاد کیا اور جن لوگوں نے انھیں پناہ دی اور نبی کی امداد کی۔ یہ لوگ اپنی ہجرت ونصرت سے سچے ایمان کا ثبوت دے چکے ہیں)

اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ
بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ ۱۳/۱۰۰)

(وہ مہاجرین وانصار جو باقی لوگوں سے پہلے اسلام لائے اور وہ جو نیکی میں اُن کے نقش قدم پہ چلے۔ اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں)

امامیہ کی مشہور تفسیر ”مجمع البیان“ میں اس آیہ کے تحت لکھا ہے۔

”کسانے کہ پیشتر از ہمہ بہ پیغمبر خدا ایمان آوردند حضرت خدیجہؓ اند بعد ازان ابوبکرؓ“

(رسول خدا پر سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں اور اس کے بعد ابوبکرؓ)

یہ ہیں امامیہ کے وہ صحیح الخیال علما جو حقیقت کو کھول کھول کر بتا گئے اور جن کے

اقوالِ رزیں دونوں فرقوں کا مشترک ورثہ ہیں۔

۸۔ یہ ایک صحیح تاریخی واقعہ ہے۔ کہ جب حضورؐ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اکثر مسلمانوں کو پہلے روانہ کر دیا۔ شبِ ہجرت حضرت امیر علیہ السلام کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ اور خود حضرت ابوبکرؓ کے گھر چلے گئے۔ وہاں سے پیدل نکلے، راہ میں حضورؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے تو ابوبکرؓ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا۔ مکہ سے چند میل باہر غارِ ثور میں تین دن چھپے رہے۔ اس اثنا میں حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا کھانا پہنچاتا آپ کا گڈریا ہر شام ریوڑ کو غار کے سامنے لا بٹھاتا اور انھیں دودھ پلاتا۔ ایک مرتبہ دشمن غار کے سامنے آ گئے۔ تو حضرت ابوبکر گھبرائے، حضور صلعم نے فرمایا "گھبراؤ مت اللہ ہمارے ساتھ ہے" غار میں ایک سوراخ تھا۔ جب حضور صلعم حضرت صدیقؓ کی ران پر سر رکھ کر سو گئے تو صدیقؓ کو فکر لاحق ہو گئی کہ اس سے کوئی سانپ وغیرہ نہ نکل آئے۔ چنانچہ آپ نے لات بڑھا کر اسے ایڑی سے ڈھانک لیا۔ تین دن کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے[5] کو کہا۔ کہ دو تیز رفتار اونٹنیاں فراہم کرے۔ چنانچہ وہ آ گئیں اور دونوں مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

یہ تو تھی وہ کہانی جو اہلِ سنت کی ہزارہا تواریخ و تفاسیر اور امامیہ کی اہم کتابوں میں درج ہے۔ مثلاً حضرت امام حسن عسکریؑ کی تفسیر میں درج ہے۔

---

[5] حملہ حیدری ج ۱، ص ۴۸ کے مطابق حضورؐ نے ابوبکر کے بیٹے کو یہ حکم دیا تھا ؎

نبیؐ گفت پس پورِ بوبکرؓ را

إِنَّ اللّٰہ تعالےٰ اوحیٰ الیہ یا محمد ان العلی الاعلیٰ یقرأُ علیکَ السلامَ وَیقُولُ لکَ اِن اباجھلٍ والملاءَ من قریش قد دبّرُوا علیک قتلک . . . . و اَمَرکَ اَن تستصحب ابابکر فانہ ان انسک وساعدک ووازرک وثبت علی تعاھدک وتعاقدک کان فی الجنۃ من رفقائک . . . . فقال رسول اللہ صلعم لِابی بکر ارضیت اَن تکون معی یا ابابکر فتطلب کما اُطلَبُ وتعرف بانک انت الذی تحملنی علی ما ادعیہ فتحمل عنی انواع العذاب قال ابوبکر یارسول اللّٰہ اما لو عِشت عمر الدنیا اُعذَّبُ جمیعھا اشد عذاب لا ینزل علیَّ موتٌ مریحٌ ولا فرحٌ وکَانَ ذٰلک فی محبّتک لکان ذٰلک احبّ الیّ مِن ان اتنعّم فیھا وانا مالک لجمیع ممالک ملوکھا فی مخالفتک وھل انا ومالی وولدی اِلّا فداءُک فقال رسول اللّٰہ لاجرم ان اطلع اللّٰہ علی قلبک ووجد ما فیہ موافقاً لما جریٰ علی لِسانک جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والراس مِن الجسد وبمنزلۃ الرُّوحِ مِنَ البدن کعلیّ الذی ھو منّی کذٰلک وعلیّ فوق ذٰلک لزیادۃ فضائلہ وشرف خصالہ ۔

(اللہ نے رسول کی طرف وحی بھیجی۔ اور کہا کہ خدائے بلند و برتر تم پہ سلام

بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ ابو جہل اور چند دیگر قریش آپ کے قتل کا منصوبہ تیار کر چکے ہیں۔ اور اس لیے حکم دیتا ہے کہ ابوبکرؓ کو ساتھی بنائیے۔ اگر اس نے آپ کا ساتھ دیا، ہر طرح سے امداد کی اور اپنے عہد وفا پہ قائم رہا تو جنت میں بھی آپ کے ساتھ رہے گا۔ اس پر حضورؐ نے ابوبکرؓ سے پوچھا کیا آپ میرا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ یہاں تک کہ جب لوگ مجھے تلاش کرنے لگیں تو آپ کو بھی ڈھونڈیں اور مشہور یہ ہو جائے کہ میرے ارادۂ ہجرت کے محرک آپ ہی تھے۔ اور اس کے بعد آپ کو طرح طرح کا عذاب دیں۔ ابوبکرؓ نے جواب میں کہا کہ اے رسولؐ اللہ اگر مجھے حیات دوام مل جائے اور اس میں مجھے مسلسل عذاب میں یوں مبتلا کر دیا جائے کہ نہ راحت بخش موت آئے اور نہ آرام کا کوئی وقفہ ملے اور یہ سب کچھ آپ سے محبت کرنے کا صلہ ہو۔ تو مجھے یہ عذاب اس بات سے زیادہ عزیز ہے کہ آپ کی مخالفت میں سارے جہان کی بادشاہی ملے اور میں عیش اڑاؤں۔ میں اپنی جان، دولت اور اولاد آپ پر قربان کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ اللہ نے تیرے دل کو ٹٹولا اور تیرے دل کو تیرے قول کے مطابق پایا تمہارا رشتہ مجھ سے وہی ہے جو کان، آنکھ اور سر کا بدن سے اور روح کا جسم سے ہوتا ہے۔ علی بھی مجھے اتنا ہی پیارا ہے۔ بلکہ مجھے بلندی

کردار اور زیادتی فضائل کی وجہ سے اُس کا درجہ زیادہ ہے)
تفسیر خلاصۃ المنہج میں علامہ کاشانی فرماتے ہیں

"امیر المومنین را بر جائے خود خوابانید و خود از خانہ ابوبکر برفاقتِ
او درہماں شب بیروں آمدہ"

(حضورؐ نے اُس رات علی کو اپنے بستر پہ سلا دیا اور خود ابوبکر کے گھر
سے اُس کے ہمراہ مدینہ کو رخصت ہو گئے)

حملہ حیدری میں درج ہے

بیں گفت راوی کہ سالارِ دیں   چو سالم بہ حفظِ جہاں آفریں
ز نزدیک آں قوم پُر مکر رفت   بسوئے سرائے ابوبکرؓ رفت
پئے ہجرت او نیز آمادہ بود   کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
چو رفتند چندے بداماں دشت   قدوم فلک سائے مجروح گشت
ابوبکرؓ آنگہ بہ دوشش گرفت   ولے زیں حدیث است جائے شگفت
کہ درکس چنیں قوت آید پدید   کہ بار نبوت تواند کشید
بدیدند غارے دراں تیرہ شب   کہ خوانندے عرب غار ثورش لقب
گرفتند در جوف آں غار جائے   ولے پیش بنہاد بوبکر پائے
بہر جا کہ سوراخ یا رخنہ دید   قبا را بدرید و آں را بچید
بدیں گونہ تا شد تمام آں قبا   یکے رخنہ نگرفت بماند از قضا

براں زخمہ گویند آں یار غار   کف پائے خود را نمود استوار

(راوی کا بیان ہے کہ حضور صلعم اُس مکار قوم کی آنکھ بچا کر صحیح و سالم اللہ کی حفاظت میں ابوبکر کے گھر پہنچے۔ چونکہ رسول پہلے ایسی خبر دے چکے تھے اس لئے وہ بھی ہجرت کے لیے تیار تھے۔ بیابان میں (برہنہ پا چلنے کی وجہ سے) حضورؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ اس پر ابوبکرؓ نے انھیں کندھوں پہ اٹھالیا نہ جانے ابوبکرؓ میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ اُس نے نبوت کا بار گراں اٹھالیا۔ پھر وہ تاریکی شب میں ایک غار کے پاس پہنچے جس کا نام غار ثور تھا، ابوبکرؓ پہلے اندر گئے۔ اور (ٹٹول ٹٹول کر) غار کے تمام سوراخ اپنا پیراہن چیر کر بند کر دیے۔ اس طرح تمام کرتہ ختم ہو گیا۔ اور اتفاقاً ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ کہتے ہیں کہ اُس سوراخ کو یار غار نے اپنے پاؤں سے بند کیا۔)

یہ تو تھی صحیح تاریخ، جو اہل سنت کی ہزارہا روایات کے عین مطابق ہے۔ اب ذرا جھوٹی تاریخ کی کارستانیاں دیکھیے۔

رفاقت ابوبکرؓ کے متعلق قاضی نور اللہ شوستری (مجالس المومنین و دیگر رسائل میں لکھتے ہیں۔

“ابوبکرؓ از منافقین بود و برخلاف امر اقدس نبوی در اثنائے راہ ایستاد و حضرت صلعم بعد زجر شدید او را ہمراہ گرفت تا کفار را دلالت نہ کند”

(ابوبکرؓ منافق تھا۔ حضورؐ صلعم کے ارشاد کے خلاف راستے میں کھڑا ہوگیا حضورؐ نے اُسے سخت ڈانٹا اور پھر ساتھ لے لیا تاکہ کفار کو اطلاع نہ دے دے۔)

رسالہ حسینیہ میں درج ہے۔

„کہ حضورؐ ذرا آگے گئے تو ایک آدمی سامنے سے آگیا، پہچان کیا کہ ابوبکرؓ ہے۔ حضورؐ نے اسے اچھی طرح ڈانٹا...... اور پھر جبریل نے آکر کہا کہ اے رسولؐ! اسے ساتھ لے چلیے۔ ورنہ کفار را گرفتہ از عقب تو بیاید و ترا بہ قتل رساند۔ کفار کو ساتھ لے کر تمہارا پیچھا کرے گا۔ اور آپ کو قتل کرا دے گا"

یہ روایات پڑھ کر سوالات ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ آدھی رات کے وقت ابوبکرؓ کو کس نے بتا دیا تھا کہ حضورؐ جا رہے ہیں اگر حضورؐ نے خود بتایا تھا تو پھر ابوبکرؓ کو لازماً ایک قابل اعتماد دوست سمجھا ہوگا۔ ورنہ آپ ایک "منافق" کو ایسے نازک موقع پر اپنے پروگرام کی اطلاع کیسے دے سکتے تھے۔

۲۔ حضورؐ نے چلتے وقت انتہائی احتیاط سے کام لیا ہوگا کس وقت اور کس راستے جانا ہے؟ کس سمت کا رخ کرنا ہے؟ کھانے پینے کا کیا انتظام ہوگا؟ یہ تمام تفاصیل پہلے طے ہوئی ہوں گی۔ اور کفار سے سخت مخفی رکھی ہوں گی۔ تو پھر ایک "منافق" آدھی رات کے وقت ٹھیک اس راہ پر کیسے

آ گیا تھا۔ جس پر حضورؐ نے جانا تھا۔

۳۔ اگر اتفاقاً آ گیا تھا تو شور مچا کر حضورؐ کو گرفتار کیوں نہ کرا دیا؟

۴۔ حضورؐ ایک دشمن خدا و رسولؐ کو ساتھ کیوں لے گئے؟

۵۔ اُس منافق نے کھانے پینے اور اونٹوں کا انتظام کیوں کیا؟

۶۔ کیا حضورؐ تن تنہا سوا دو سو میل کا سفر طے کرنا چاہتے تھے؟ راہ میں تھکان، بیماری، اور حادثے کا ڈر ہوتا ہے، پیاس اور بھوک لگتی ہے کیا ان حوادث سے نپٹنے کے لیے ایک رفیقِ سفر کا ہونا ضروری نہیں تھا؟ اگر یہ رفیق سفر ابوبکرؓ نہیں تھا تو کون تھا؟

حضرتِ صدیقؓ کی گھبراہٹ کے متعلق رسالہ حسینیہ میں لکھا ہے۔

،،غوغائش از جزع و فزع و فریاد برائے آن بود کہ مشرکاں را اطلاع گرداند و آنہا بدانند کہ دریں غار است،،

(غار میں ابوبکرؓ کا شور و واویلا اس لیے تھا تاکہ (باہر کھڑے ہوئے) کفار کو پتہ لگ جائے کہ حضورؐ غار میں ہیں:

یہ عجیب بات ہے۔ کہ ،،منافق،، سامنے تو چپ چاپ نکل گیا۔ جہاں کفار ہاتھوں میں تلواریں اور برچھیے لیے، ناکے پہ پہرہ دے رہے تھے اور حضورؐ کو پکڑوانے کا خیال بعد میں آیا۔ اور عجیب تر یہ کہ اس غرض کے لیے شور بھی مچایا۔ لیکن کفار جو چند گز کے فاصلے پر کھڑے تھے، کچھ بھی نہ سن سکے پھر

حضورؐ نے اس موقع پر "لَا تَحْزَنْ گھبرائیے نہیں" کہا۔ شور مچانے اور گھبرائیے نہیں" کا آپس میں کوئی تعلق؟

ملّا خضر مشہدی کا کمال دیکھئے کہ سوراخ کو پاؤں سے بند کرنے کے متعلق فرماتے ہیں

اِنَّمَا کَانَ یَمُدُّ رِجْلَهٗ یُرِیْدُ اِظْهَارَ اَمْرِهٖ

(کہ ابوبکرؓ نے پاؤں اس لیے لمبا کیا تھا کہ باہر کھڑے ہوئے کفار دیکھ لیں اور انھیں پکڑ لیں۔)

غور فرمائیے کہ خلیفۂ اوّل کو منافق ثابت کرنے کے لئے صحیح تاریخ میں کیا کیا پیچ لگائی گئیں اور پیچ بھی ایسی کہ جرح و تنقید کا ہلکا سا دباؤ بھی برداشت نہ کر سکیں۔

میری سمجھ سے یہ بات ورا تر ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو منافق و مرتد ثابت کرنے سے دین و دنیا کی کون سی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اس موقف کے نقصانات تو بے شمار ہیں لیکن فائدہ کوئی بھی نہیں۔ مثلاً

۱۔ اس سے چالیس کروڑ اہل سنت کی دل آزاری ہوتی ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ خلفا کو مومن تسلیم کرنا رکن اسلام نہیں لیکن اس کا کیسا علاج کہ ان کے لاتعداد کارناموں کے پیش نظر کروڑوں پیروان اسلام ان کا بے حد احترام کرتے تھے، اور ان کارناموں کا ذکر امامیہ کی صحیح

تاریخ میں بھی موجود ہے۔ قابل احترام ہستیوں کو برا کہا جائے تو ان کے عقیدت مندوں کو سخت ٹھیس لگتی ہے۔ پاکستان میں حضرت قائداعظم اور حکیم مشرق رحمۃ اللہ علیہم انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اگر انھیں کوئی شخص برا کہے گا تو آٹھ کروڑ پاکستانی بے چین ہو جائیں گے اور برا کہنے والے کے خلاف جذباتِ نفرت وحقارت بھڑک اٹھیں گے۔ نفرت پھیلانا اور دل دکھانا کسی مذہب کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔

۲- امامیہ کی صحیح تاریخ میں دو سو سے زائد اقوال ایسے ہیں۔ جن سے خلفا کا ایمان و اخلاص ثابت ہوتا ہے۔ ان میں بڑے بڑے علما و مجتہدین کے علاوہ حضرت امیرالمومنینؑ، امام حسنؑ۔ امام زین العابدینؑ، امام باقرؑ، امام جعفر صادقؑ، امام حسن عسکریؑ کے اقوال بھی شامل ہیں۔ ان سب اقوال کو غلط اور ان تمام کتابوں کو جن میں یہ اقوال موجود ہیں جھوٹا کہنا پڑے گا

۳- قرآن انہی کی وساطت سے ہم تک پہنچا تھا۔ اگر انھیں منافق تسلیم کیا جائے تو پھر قرآن کو صحیح کہنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ منافقین و مرتدین کا ایک گروہ قرآن کا سب سے پہلا باقاعدہ نسخہ تیار کرائے اور اس میں کوئی ردو بدل نہ ہوا ہو۔

۴- تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ خلفا کے زمانے میں اسلام عرب سے نکل کر فلسطین

شام، مصر، عراق، ایران، ترکستان اور افغانستان تک پہنچ گیا تھا بیس ہزار مساجد بن گئی تھیں۔ گھر گھر تلاوت قرآن کا چرچا تھا۔ ایک کروڑ انسان اسلام لانے کے بعد اشاعتِ اسلام میں مصروف ہو گئے تھے۔ اگر خلفا کو منافق قرار دیا جائے تو اللہ کے تینوں وعدے (استخلاف تمکینِ دین اور امن) غلط ثابت ہوتے ہیں۔ اسلام تو یوں گیا کہ تین کے سوا سب مرتد ہو گئے تھے۔ اگر صرف امیرالمومنین کی خلافت کو خلافتِ حقہ کہا جائے تو وہ پانچ برس سے زیادہ نہ تھی۔ کیا اللہ کا وعدۂ استخلاف صرف پانچ برس کے لیے تھا؛ رہا امن تو حضرت امیرالمومنینؑ کا عہد خانہ جنگی کا عہد تھا۔ آپ کو قیامِ امن کی فرصت ہی نہ مل سکی۔

۵۔ ملت کا موجودہ انتشار باقی رہے گا اور مسلمان اقوامِ عالم کی نگاہ میں سدا ذلیل و رسوا رہیں گے۔

بھائیو! میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ اپنا مذہب بدل لیں۔ امتیازی نام چھوڑ دیں، یا آلِ رسولؐ کی محبت ترک کر دیں۔ میں تو صرف اتنی سی بات کہہ رہا ہوں کہ صحیح بات کو صحیح کہیے تاکہ غلط نتائج پیدا نہ ہوں اسلام نام ہے نیکی کا، اگر آپ میں سے کوئی نیک ہے تو وہ خالص مومن ہے۔ خواہ وہ شیعہ ہو یا سُنی۔ ان لیبلوں، ناموں، اور نشان کو کوئی وقعت

حاصل نہیں۔ اگر آپ راستباز، راست کردار، دیانتدار، انسان کے خدمتگار اور محبت شعار ہیں تو آپ صاحبِ ایمان ہیں ورنہ پیروِ شیطان۔

۹۔ حضور صلعم ابھی مکہ ہی میں تھے کہ قیصرِ روم اور شاہِ ایران میں جنگ چھڑ گئی۔ قیصر عیسائی تھا اور کسریٰ مشرک۔ مشرکین مکہ کی ہمدردی کسریٰ کے ساتھ تھی۔ اور مسلمان قیصر کی فتح چاہتے تھے لیکن قیصر کو شکست ہو گئی۔ اس پر مسلمانوں کو صدمہ ہوا اور یہ آیہ نازل ہوئی۔

غُلِبَتِ الرُّومُ فِی اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِنۡ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ فِی بِضۡعِ سِنِيۡنَ، لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡ بَعۡدُ وَيَوۡمَئِذٍ يَفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ (روم ۱/۱-۴)

(ایشیائے صغیر میں روم کو شکست ہو گئی ہے لیکن چند سال کے بعد انھیں ایرانیوں پہ فتح حاصل ہو گی۔ آگے پیچھے حکومت اللہ ہی کی ہے۔ اُس روز مسلمان خوش ہوں گے)

یہ پیش گوئی پورے نو سال بعد اُس روز پوری ہوئی جب مسلمان فتح بدر کی خوشیاں منا رہے تھے

حضرت امام جعفر صادقؑ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں۔

غُلِبَتِ الرُّومُ فی ادنی الارض وهی الشامات وما حولها وهم (یعنی فارس) من بعد غلبهم سَيُغۡلَبُوۡنَ یعنی يَغۡلِبُهُمُ المسلمون

فی بضع سنین۔۔۔۔ فلما غزا المسلمون فارس وافتتحوہا فرح المسلمون بنصر اللہ (کافی۔ کتاب الروضہ، طبع لکھنؤ، صـ۱۲۷)

(رومی شام ونواح شام میں مغلوب ہو گئے، اور چند سال بعد ایرانیوں پر مسلمان غالب آ جائیں گے۔۔۔۔ جب مسلمان اہل ایران سے لڑے اور فتح حاصل کی تو اللہ کی نصرت پہ بہت خوش ہوئے)

قرآن کی یہ پیش گوئی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پوری ہوئی تھی، اور فتح ایران پر اہلِ اسلام واقعی بہت خوش ہوئے تھے۔ اگر فاروقؓ اعظم کو خارج از اسلام سمجھا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ یہ پیش گوئی کب پوری ہوئی؟ اور جن خوش ہونے والے مسلمانوں کا ذکر حضرت امام جعفرؑ نے کیا تھا، وہ کون تھے؟

روایت بالا کی تائید واقعات ذیل سے بھی ہوتی ہے۔

"امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ جب (جنگ احزاب کے موقعہ پر) مدینہ کے گرد خندق کھودی جا رہی تھی تو ایک پتھر آ گیا۔ حضورؐ نے علیؑ یا سلمانؓ سے کدال لے کر ضرب بہا ضربۃ ففرقہا بثلث فرق فقال رسول اللہ صلعم لقد فتحت علیّ فی ضربتی ہٰذہٖ کنوز کسریٰ وقیصر اس پہ مارا، وہ تین ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور پھر فرمایا کہ اس ضرب سے قیصر وکسریٰ کے خزانے میرے ہاتھ آ گئے ہیں"

(کافی۔ کتاب الروضہ)

قیصر و کسریٰ کے خزانے خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں حاصل ہوئے تھے۔ اور اس فتح کو حضورؐ پرنور نے اپنی فتح قرار دیا تھا۔ تو کیا ایمانِ خلفا میں اب بھی کوئی شک باقی ہے؟

حملۂ حیدری میں یہ واقعہ یوں بیان ہوا ہے۔

بنامِ خدائے جہاں آفریں
بزد تیشہ را سید المرسلیں

آپ نے تین ضربیں لگائیں، تین شعلے بلند ہوئے اور پھر حضرت سلمان کے استفسار پر

بہ پاسخ چنیں گفت خیر البشر
کہ چوں جست برق نخست از حجر
نمودند ایوان کسریٰ بہ من
دوم قصر روم و سوم از یمن

(حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے شررہ پر مجھے ایوان کسریٰ، دوسرے پہ محلاتِ روم اور تیسرے پہ یمن دکھایا گیا ہے)

کبھی کبھی ملا باقر مجلسی بھی صحیح بات کہہ جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ جب شاہِ ایران نے نامۂ رسولؐ کے جواب میں مٹی کی ایک مٹھی بھیجی تو،

،،حضرت فرمود کہ اُمتِ من بزودی مالکِ زمین او خواہد شد،،

(حیات القلوب ج ۲، طبع لکھنؤ، ص۲۱۹)

(حضورؐ نے فرمایا کہ میری امت جلد ایران پر قابض ہو جائے گی)

یہاں حضورؐ نے فاتحین ایران (حضرت عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہم) کو اپنی اُمت کہا ہے اور ظاہر ہے کہ منافق امتِ رسولؐ نہیں ہو سکتے۔

یہی ملا باقر لکھتے ہیں

"ابن شہر آشوب وغیرہ او روایت کردہ اند کہ روزے آنحضرتؐ نظر کرد بسوئے ذراعہائے سراقہ بن مالک کہ باریک و پُر مو بود پس فرمود کہ چگونہ خواہد بود حالِ تو کہ دست رنجہائے پادشاہ عجم را در دست ہائے خود کردہ باشی۔ پس چون در زمان عمرؓ فتح مدائن کردند عمرؓ او را طلبید و دست رنجہائے پادشاہ عجم را در دستہائے او کرد۔"

(حیات القلوب ج ۲، ص۲۴۸)

(ابنِ شہر آشوب وغیرہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضورؐ کی نگاہ سراقہ بن مالک کے باریک اور مودار بازوؤں پر پڑ گئی۔ فرمانے لگے وہ کیا دن ہو گا جب شاہِ ایران کے کنگن تمہارے ہاتھوں کی زینت بنیں گے جب عہد عمرؓ میں مدائن فتح ہوا، تو عمرؓ نے سراقہ کو بلایا اور کسریٰ کے کنگن اسے پہنا دیئے)

سیدھی سی بات ہے کہ اگر عمرؓ منافق ہوتا تو حضور صلعم کی پیش گوئی کو اس

عقیدت و محبت سے سچا ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتا۔

۱۰۔ یوں تو ایسی سینکڑوں آیات ہیں جن سے صحابہ کے ایمان، اُن کی کثرت، شوکت اور سطوت پہ روشنی پڑتی ہے لیکن مبادا کہ قارئین اُکتا جائیں صرف ایک اور آیہ یہاں درج کرتا ہوں۔

اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ اسلام تمام ادیان پہ چھا جائے گا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے چار چیزوں کی ضرورت تھی۔

اول۔ **سلطنت**۔ کہ محکوم عموماً اپنے آقا کا مذہب اختیار کر لیتا ہے اور اُس کا اپنا تمدن، کلچر اور دیگر خصوصیات ختم ہو جاتی ہیں۔

الناس علیٰ دین ملوکہم

(لوگ اپنے بادشاہوں کے مذہب پہ چلتے ہیں)

دوم۔ **اتحاد**۔ حصول سلطنت کے لیے قوم میں اتحاد ضروری ہے۔ انتشار باعث ضعف اور ضعف وجہ موت بن جاتا ہے۔

سوم۔ **بلندی کردار**۔ اگر کسی قوم کا کردار پست ہو، اس کے افراد ظالم، غاصب، بددیانت، جھوٹے اور منافق ہوں تو اُس کا مذہب کبھی فروغ نہیں پا سکتا۔ بلندی سیرت تعمیل الہام سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ایک پہلو عبادت یعنی رکوع و سجود ہے۔

چہارم۔ **اعجازِ قرآن**۔ قرآن دو طرح سے اعجاز ہے۔ اول اس کا اسلوب بیان

دوم اس کے بیان کردہ، معاشرتی، اخلاقی، روحانی، طبیعی اور مابعد الطبیعی صداقتیں۔ آج کہ مسلمانوں کا کردار بے حد پست ہو چکا ہے۔ ان کے انتشار، الجھے عقائد، ان کی جہالت، خود پرستی، خدا فراموشی، بے تدبیری اور احتیاج پہ سارا عالم ہنس رہا ہے۔ اگر اسلام کا وقار قائم ہے تو صرف قرآن کے دم سے۔ اس وقت امریکہ، جرمنی فرانس اور برطانیہ میں حقائق قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کئی ادارے کام کر رہے ہیں۔ سو سال پہلے اقوام مغرب کو قرآن سے انتہائی نفرت تھی لیکن آج وہ بات نہیں رہی۔ گذشتہ نصف صدی میں ہزاروں یورپی مسلمان ہو چکے ہیں اور میرا اندازہ یہ ہے جوں جوں سائنسی علم بڑھتا جائے گا۔ قرآن کے رموز سے پردہ اٹھتا جائے گا اور ممکن ہے کہ کوئی ایسا زمانہ بھی آجائے کہ ہر بڑا سائنس دان قرآن کی عظمت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ
لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ
اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ
تَرٰهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ
رِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط

(فتح ۴/۲۸-۲۹)

(اللہ وہ ہے۔ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پہ غالب کرے۔ اور خدا کی شہادت کافی ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھی کفار پہ بڑے تند اور آپس میں بڑے رحیم و شفیق ہیں۔ آپ انھیں ہمیشہ راکع و ساجد اور خدائی فضل و رضا کا طالب پائیں گے۔ ان کے چہروں پہ سجدہ و اطاعت کا نشان ملے گا۔ تورات و انجیل میں ان کے یہی اوصاف مذکور ہیں۔ آپ انھیں ایک ایسی کھیتی سمجھیں جس کی پہلے ڈنڈی نکلی، اس میں طاقت آئی، پھر مضبوط ہوگئی اور اس کے بعد اپنے بل پہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کسان جسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کافر آتشِ حسد میں جل مرے)

اللہ نے اسلام کو غالب بنانے کے لیے جو اُمّۃ وسطیٰ کھڑی کی تھی۔ اُس کے اوصاف یہ بتائے ہیں کہ غیروں پہ تند، آپس میں نرم، اللہ کے سامنے جھکنے والے، اُس کے فضل و رضا کے طالب، چہروں پہ

علاماتِ تقویٰ و طاعت، اور ایک ایسی کھیتی جو رفتہ رفتہ مضبوط بن کر لہلہانے لگی۔ اپنی محنت کو بارور دیکھ کر کسان کی باچھیں کھل گئیں اور کفار آتشِ حسد میں جل مرے۔

اگر خلفائے ثلاثہ کو کافر سمجھ لیا جائے اور بعد از رسولؐ صرف تین صحابہ کو مومن قرار دیا جائے۔ تو پھر روزِ حشر اللہ سے یہ پوچھنا پڑے گا کہ صحابہ کی جس شاندار کھیتی کا نقشہ آپ نے کھینچا تھا۔ وہ گئی کہاں؟ خلافت پہ "منافق" قابض ہو گئے حضورؐ کے ساتھی تقریباً سب کے سب اسلام سے بھاگ گئے اور ہر طرف ارتداد پھیل گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ منافق و مرتد خدا و رسول کی کھیتی نہیں کہلا سکتے؟

غور فرمائیے کہ اگر خلفاء کو "بے ایمان" قرار دے دیا جائے تو قرآن کی متعدد آیات اپنا مفہوم کھو بیٹھی ہیں۔ کوئی پیش گوئی اور کوئی تمثیل جس کا تعلق صحابہ سے ہو صحیح نہیں رہتی۔ قرآن سے اعتبار اٹھ جاتا ہے اور کفر و اسلام کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

مسلمانو! ذرا تو سوچو۔ کہ اگر تم ایک دوسرے کو کافر و مرتد بناتے رہے قرآن کے محرّف ہونے پہ سارا زور لگاتے رہے تو پھر خدا کا وہ وعدہ کہ "ہم اسلام کو تمام ادیان پہ غالب کریں گے" کیسے پورا ہوگا۔

میرے بھائیو! خدا کے لیے، اپنے وطن کے لیے اپنے مستقبل کے لیے اپنے ناموس و وقار کے لئے انتشار کو چھوڑ دیجیئے، عناد و نفرت کی راہوں کو چھوڑیئے

اُس واعظ کو چھوڑیئے جو غلط تاریخ بتا کر آپ کو غلط راہوں پہ ڈالے۔ آپس میں لڑائے، سارے جگ کو آپ پہ ہنسائے۔ اور ایک قرآن کو تھام لیجئے۔ اس کے بعد آپ کا ملی نام شیعہ ہو یا سُنی، آپ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھیں یا باندھ کر، آپ کی اذانیں ایک ہوں یا جدا جدا! قطعاً کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مقصد پاکیزگی سیرت ہے۔ اختلافِ مناسک و مسالک ابتدا سے چلا آتا ہے۔ اور تا انتہا باقی رہے گا یہ چیز اتحاد میں حائل نہیں ہو سکتی۔ خدائی مذہب کی علامت محبت ہے۔ اگر آپ کا دل محبت سے لبریز ہے اور آپ کے مواعظ درسِ محبت دیتے ہیں تو آپ صاحبِ ایمان ہیں۔ اگر یہ چیز نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰ!
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
دے گئی مرگِ حسینؑ اہلِ خرد کو پیام
عشق سراپا حیات، عشق سراسر دوام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

(اقبالؒ بہ ترمیم)

* * *

باب ہفتم

خلفائے ثلثہ ائمہ و علمائے امامیہ کی نظر میں

میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ اس کتاب سے میرا مقصد کسی فرقے کی تردید نہیں۔ کہ میں کلامی اختلافات میں الجھنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ صحیح تاریخ پیش کرنا ہے۔ ایک طرف اہلِ سنت کی ہزارہا تواریخ و تفاسیر ہیں۔ جو خلفا کو بالاتفاق صاحب ایمان کہتی ہیں اور دوسری طرف امامیہ کی تاریخ ہے جس میں دو سو سے زائد روایات خلفا کے ایمان پر ہیں اور اندازاً پانچ سو اس کے خلاف۔ ایک ہی امام کی طرف درجنوں ایمان صحابہ کی روایات منسوب ہیں۔ اور بیسیوں کفرِ صحابہ کی۔ یہ دونوں قسم کی روایات صحیح نہیں ہو سکتیں سوال یہ ہے، کہ کن روایات کو صحیح سمجھا جائے۔ اگر ہم یہی سوال کسی مغربی مورخ سے پوچھیں تو وہ تاریخ کے مسلمہ اصولوں سے کام لے کر غیر امامی آثار کی طرف

رجوع کرے گا اور جن روایات کی تائید وہاں سے مل جائے گی انھیں صحیح قرار دے گا۔ اور باقی کو مسترد کردے گا۔ ایک مورّخ کے ہاں اوّلیتِ مآخذ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ فرض کیجئے کہ سقراط کے حالات زندگی "تین آدمی لکھتے ہیں۔ ایک اُس کا ہم عصر ہے، دوسرا سو سال بعد آتا ہے اور تیسرا دو ہزار سال بعد، اور تینوں کی تفاصیل میں اختلاف ہے۔ تو مورّخ لازماً معاصرِ سقراط پہ اعتماد کرے گا اور باقی دو کو کوئی اہمیت نہ دے گا۔

امامیہ کی اُن دو سو روایات (ایمانِ خلفا) کی تائید اہل سنت کی کم از کم ایک لاکھ روایات سے ہوتی ہے اور باقی ماندہ پانچ سو روایات (کفرِ صحابہ) کی تائید میں ایک لفظ تک نہ اسلامی تاریخ سے مل سکتا ہے اور نہ غیر اسلامی تاریخ سے۔ رہا اوّلیّتِ ماخذ کا مسئلہ۔ تو سب سے پہلی کتاب جو ظہورِ اسلام کے بعد لکھی گئی تھی۔ وہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی تفسیر ہے۔ آپ ایک جلیل القدر فقیہہ صحابی تھے، قرابت کے لحاظ سے حضورؐ پرنور اور جناب علی المرتضیٰ علیہما السلام کے چچیرے بھائی تھے۔ اس تفسیر میں متفرق مقامات پر خلفا کا ذکر آیا ہے۔ ہر جگہ انتہائی احترام سے انھیں یاد کیا گیا ہے اور ان کے ایمان و عمل کو بطورِ مشعلِ راہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر ہر بڑی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے بعد احادیث و تاریخ کے کئی مجموعے مرتب ہوئے جن میں سے کچھ اس وقت نایاب ہیں۔

جو کتابیں ایشیا و یورپ کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض ہر جگہ ملتی بھی ہیں۔ ان کی فہرست یہ ہے۔

کتاب کا نام	مصنف	سال تکمیل (اندازاً)
۱۔ مغازی	موسیٰ بن عقبہ	سنہ ۱۴۰ھ
۲۔ سیرۃ رسول اللہ	~~ابو غشاق~~ ابن اسحٰق ۔ تبسّم درر	سنہ ۱۵۰ھ
۳۔ مُؤطّا	امام مالکؒ بن انس	سنہ ۱۷۹ھ
۴۔ مُؤطّا	امام محمد بن الحسن الشیبانی	سنہ ۱۸۷ھ
۵۔ کتاب المغازی	ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی	سنہ ۲۰۶ھ
۶۔ سیرت ابن ہشام	عبدالملک بن ہشام الحمیری	سنہ ۲۱۳ھ
۷۔ طبقات الکبیر	ابن سعد	سنہ ۲۲۹ھ
۸۔ مُسند	ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی	سنہ ۲۴۱ھ
۹۔ سُنن	ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی	سنہ ۲۵۵ھ
۱۰۔ صحیح	محمد بن اسماعیل البخاری	سنہ ۲۵۶ھ
۱۱۔ صحیح	مُسلم بن حجاج القشیری	سنہ ۲۶۱ھ
۱۲۔ سُنن	ابو داؤد سلیمان بن الاشعث الازدی السجستانی	سنہ ۲۷۶ھ
۱۳۔ الامامۃ والسیاسۃ	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قُتیبہ الدینوری	سنہ ۲۷۶ھ
۱۴۔ سُنن	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	سنہ ۲۷۹ھ

کتاب کا نام	مصنف	سال تکمیل (اندازاً)
۱۵۔ فتوح البلدان	احمد بن یحییٰ البلاذری	۲۷۹ھ
۱۶۔ کتاب الاخبار الطوال	ابو حنیفہ احمد دینوری	۲۸۲ھ
۱۷۔ سنن	ابو عبدالرحمان احمد بن علی بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ
۱۸۔ تاریخ الملوک والرسل	ابو جعفر محمد بن جریر الطبری	۳۰۲ھ

یہ لوگ بڑے متقی، خدا ترس، عبادت گذار اور راستباز تھے۔ انھوں نے ہمیشہ رات کو رات اور دن کو دن کہا۔ ان کی کتابوں میں کہیں بھی فرعون و نمرود کی تعریف موجود نہیں۔ کسی نے بھی بوجہل و بولہب کو مسلمان نہیں کہا، اگر خلفا بھی منافق و مرتد ہوتے۔ تو آخر ان میں سے ایک مورخ تو اس کا ذکر کرتا۔ یہ بات ناقابل تسلیم ہے کہ ان مورخین نے صدیق رض و فاروق رض کو مسلمان بنانے کی سازش کرلی تھی۔ آخر "کافروں" کو مسلمان کہنے سے انھیں فائدہ کیا تھا؟ عمداً جھوٹ کون بولتا ہے۔ "کافی کلینی" جس میں کفرِ خلفا اور تحریف قرآن کی متعدد روایات موجود ہیں۔ کتب بالا سے کافی بعد سنہ ۳۲۰ھ کے قریب لکھی گئی تھی۔ "کافی" سے پہلے کی کسی کتاب میں کفر خلفا کی روایات نہیں ملتیں۔ کافی کی بیشتر روایات امام باقر ع و جعفر ع سے تعلق رکھتی ہیں۔ کلینی سے امام جعفر ع (وفات سنہ ۱۴۸ھ) ایک سو بہتر برس پہلے اور امام باقر ع (وفات سنہ ۱۱۴ھ) دو سو چھ برس پہلے گذر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں اِن ائمہ کے اقوال وارشادات بگڑ چکے ہوں گے۔ وہ زمانہ ہی احادیث تراشی کا

تھا۔ سینکڑوں فرقے اپنے عقائد کی تائید میں روایات گھڑ رہے تھے عبداللہ بن سبا کے گروہ کا تو کام ہی یہی تھا۔ غیر مسلم حکومتوں نے سینکڑوں آدمی اس کام پہ لگا رکھے تھے۔ اس قسم کے حالات سے گذر کر پہنچی ہوئی روایات کا اعتبار کیا؟ کلینی نے یہ تمام روایات نقد و جرح کے بغیر اٹھائیں۔ اور ایک مجموعہ (کافی) میں منضبط کر ڈالیں۔

تاریخ کے ایک طالب العلم کو کلینی سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے۔ کہ جب گذشتہ سوا تین سو برس کی متعدد تواریخ میں کفرِ خلفا کا ذکر کہیں موجود نہیں تھا تو آپ کے مجموعہ میں یہ چیز کہاں سے آگئی۔ وہ ایک ہی جواب دے سکتے ہیں۔ کہ روایات سے لی ہے۔ اور اگر یہ پوچھیں کہ سنیوں کی لاکھوں احادیث کی رو سے یہ خلفا مسلمان تھے۔ اور آپ کی کچھ روایات انھیں کافر اور کچھ مسلمان کہتی ہیں۔ اس عظیم اختلاف کے باوجود آپ ان روایات پہ اعتبار کیوں کرتے ہیں تو اس کا کوئی جواب تا قیامت نہیں ملے گا۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی (اقبالؒ)

سچائی کو پرکھنے کے لیے دنیا نے چند معیار مقرر کر رکھے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ محبت کی تعلیم دے۔ دوم یہ کہ اس کی تفاصیل مسلمہ حقائقِ کونی و فطری کے خلاف نہ ہوں۔ سوم یہ کہ اُس میں تعارض نہ ہو۔ دنیا کے کسی

لٹریچر میں اتنا تضاد و تباین موجود نہیں، جتنا مسلمانوں کی روایات میں ہے۔ اس مسخ شدہ لٹریچر پہ اعتماد کرنا، قرآن جیسی عظیم و رفیع کتاب کو ایک طرف پھینک دینا اور پھر ایک دوسرے کے گلے کاٹنا، شہادتِ حسینؑ سے بھی بڑا حادثہ ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے تو ایک نہایت بلند مقصد کے لیے سر کٹوایا تھا، لیکن ہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر حرام موت مر رہے ہیں اور چودہ صدیوں سے دنیا کو یہ خونی تماشہ مفت دکھا رہے ہیں۔

رَبِّ اِھْدِیْ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنْ

(اے رب میری قوم کو سیدھی راہ دکھا۔ یہ نہیں جانتی

کہ کیا کر رہی ہے)

حضرت صدیقؓ کے متعلق آراء

آراء درج کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کارناموں پہ کچھ روشنی ڈالی جائے۔

۱۔ جب حضور صلعم نے رسالت کا اعلان فرمایا تو چار افراد سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔ خواتین میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، بچوں میں سے حضرت علی المرتضیٰؑ، جوانوں میں سے حضرت زید بن حارثہؓ اور بوڑھوں میں سے حضرت ابوبکرؓ۔ رحمہم اللہ

۲۔ آپ نے بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، نذیرہؓ، نہدیہؓ اور دیگر کئی نومسلم غلاموں

اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کیا اور اس طرح ظالم آقاؤں سے انھیں نجات دلائی۔

۳۔ آپ کی ترغیب سے عبدالرحمانؓ بن عوف، عثمانؓ بن عفان، سعدؓ بن ابی وقاص (فاتح ایران) طلحہؓ بن عبداللہ، ابوعبیدہ بن جراح (فاتح شام) اور خالدؓ بن سعید بن العاص نے اسلام قبول کیا۔

۴۔ آپ نے مسجد نبوی کے لیئے سفید زمین کی قیمت ادا کی۔

۵۔ جنگہائے بدر، اُحد، بنوالمصطلق، حُدیبیہ، خیبر، خندق اور حنین میں بحیثیت مجاہد شامل ہوئے۔

۶۔ قبول اسلام کے وقت اونٹوں، بھیڑ بکریوں اور زرعی جائداد کے علاوہ آپ چالیس ہزار درہم کے بھی مالک تھے۔ لیکن وقتِ وفات آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ سب کچھ خدا اور رسولؐ پر قربان کردیا تھا۔

۷۔ حضورؐ کی آخری علالت میں آپ امام الصلوٰۃ رہے۔ اور ایک دن خود حضورؐ نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی **(نبی کبھی اُمتی کے پیچھے**

۸۔ حضورؐ کے بعد مدعیانِ نبوت مثلاً طلیحہ بن خُویلد، اسود عنسی، مسیلمہ بن حبیب، سجاح بنت حارثہ (زوجہ مسیلمہ) کو آپ نے ختم کیا۔

۹۔ مرتدین و منکرین زکوٰۃ کے خلاف اعلان جہاد کیا۔

۱۰۔ مختلف مقامات پر بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی تھی مثلاً نعمان بن

منذر نے بحرین میں، لقیط بن مالک نے عمان میں، نیز امرائے کندہ نے علمِ بغاوت بلند کر دیا تھا۔ آپ نے ان سب کو کچل ڈالا۔

۱۱۔ آپؓ نے سب سے پہلے، آیات قرآن کو چھلکوں، ٹھیکریوں، چمڑے اور کاغذ کے ٹکڑوں سے نقل کرا کے ایک باقاعدہ نسخہ تیار کرایا۔

۱۲۔ آپ کے اڑھائی سالہ عہد میں مندرجہ ذیل جنگیں لڑی گئیں۔

(۱) جنگ تبوک (۲) جنگِ عراق (۳) جنگِ فلسطین (۴) اور شام میں جنگ بُصریٰ

ان لڑائیوں سے شام میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۱۳۔ حضرت صدیقؓ کا یہ معمول تھا کہ سحر کو بعد از تہجد مشک اور جھاڑو اٹھاتے۔ اور مدینہ کی ضعیف اور بے بس عورتوں کے گھروں میں دبے پاؤں داخل ہو کر صحن میں جھاڑو پھیرتے، اور گھڑوں میں پانی بھر آتے۔ دن کو بعض یتیموں کے ہاں جا کر، اُن کی بکریاں دوہتے اور عہد خلافت میں بھی بعض اوقات اپنا ریوڑ خود چراتے تھے۔

۱۴۔ آپ نے عمر بھر کھردرا لباس پہنا۔ گارے کے کچے مکان میں رہے اور ستو کھا کر گذارا کیا۔ خلیفہ بنے تو چالیس درہم (پونے نو روپے پاکستانی) مشاہرہ لینا شروع کیا۔ اور وفات سے پہلے اپنا اثاثہ بیچ کر یہ رقم پھر بیت المال میں داخل کر دی۔

خلیفہ بننے کے بعد مسجد میں نماز پڑھنے آئے۔ تو آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

یا ایّھا الناس فانی قد وُلّیتُ علیکم ولست بخیرکم
فان اَحسَنتُ فاعینُونی وان اَسَأتُ فقوّمونی۔ الصدق
امانة والکذب خیانة والضعیف فیکم قوی عندی حتی اریح
علیہ حقہ ان شاء اللہ۔ والقوی فیکم حتّی اخذ الحق منہ ان شاء اللہ۔
لا یدع قوم الجہاد فی سبیل اللہ الا ضربھم اللہ بالذل ولا تشیع الفاحشة
من قومٍ قط الا عمھم اللہ بالبلاءِ۔
اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہٗ فاذا عصیت
اللہ ورسولہٗ فلا طاعة لی علیکم۔ قوموا
الیٰ صلاتکم یرحمکم اللہ۔

(طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۱۲۹)

لوگو! مجھے تمہارا والی بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہ تھا۔ اگر میں نیک رہوں، تو میری مدد کرو، برا بن جاؤں تو مجھے سیدھا کرو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ جب تک ضعیف کو میں اس کا حق نہ دلا چکوں اسے طاقتور سمجھوں گا۔ اور جب تک طاقتور سے دوسروں کا حق نہ لے لوں اسے ضعیف خیال کروں گا۔ انشاء اللہ۔ جب کوئی قوم

اللہ کی راہوں میں جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ تو اسے اللہ ذلیل کرتا ہے جب کسی قوم میں گناہ آجاتا ہے تو اللہ اُس پر مصیبتیں برساتا ہے۔ اگر میں خدا و رسول کی اطاعت کروں، تو تم میری اطاعت کرو۔ اور اگر میں خدا و رسول کا نافرمان بن جاؤں تو تم میری نافرمانی کرو۔ اب نماز کے لیے اُٹھو، اللہ تم پر رحم کرے۔)

کیا ان واقعات و اقوال سے، جو صحیح ترین قدیم تواریخ سے حاصل کئے گئے ہیں، کفر و نفاق کا کوئی پہلو نکلتا ہے؟ حضرت صدیقؓ کی یہی وہ سیرت تھی جس پہ خود امیرالمومنین علیہ السلام نے گلہائے تحسین برسائے تھے۔ (آپ کے اقوال پچھلے صفحات میں نقل ہو چکے ہیں) اور دیگر ائمہ و مجتہدین امامیہ نے بھی خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ مثلاً

۱۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ کیا تلوار کی آرائش و زیبائش جائز ہے۔ قالَ نعم قد حلّی ابوبکر الصدیق سیفہ بالفضة وقال الراوی اتقول ھکذا فوثب الامام علی مکانہ فقالَ نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والآخرۃ۔ (کشف الغمہ تصنیف علی بن عیسیٰ اربلی)

(فرمایا بیشک۔ کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تلوار چاندی سے سجائی تھی۔

راوی نے کہا۔ کیا آپ ابوبکر کو صدیقؓ کہہ رہے ہیں تو امام غصے میں آکر اپنی جگہ پہ اچھل پڑے اور فرمایا ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ وہ صدیقؓ ہے۔ صدیق ہے۔ صدیق ہے اور جو اسے صدیقؓ نہ کہے، اللہ اس کو دنیا و آخرت میں جھوٹا کرے)

۲۔ "احتجاج" طبرسی میں بروایت امیر علیہ السلام درج ہے

كنا مع النبی صلعم علی جبل حراء اذا تحرك الجبل فقال له قر فانه لیس علیك الا نبی وصدیق وشهید۔

(حضرت امیرؑ فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ کوہِ حرا پہ کھڑے تھے۔ کہ پہاڑ ہلنے لگا۔ حضورؐ نے پہاڑ سے کہا۔ ٹھہر جا۔ کہ تم پہ نبی، صدیقؓ اور شہید کے سوا اور کوئی نہیں)

۳۔ "کتب الرجال" میں محدثین نے سالم بن ابی حفصہ کو شیعہ قرار دیا ہے۔ اسی سے روایت ہے۔

عن سالم ابن ابی حفصه قال دخلت علی ابی جعفر فقال اللهم انی اتولی ابابکر وعمر اللهم ان کان فی نفسی غیر ذلك فلا نالنی شفاعة محمد صلعم یوم القیامه۔ (مسند دارقطنی)

(سالم بن ابی حفصہ کہتے ہیں کہ میں امام باقرؑ کے پاس گیا تو امام نے

فرمایا۔ اے اللہ! میں ابوبکرؓ و عمرؓ سے محبت کرتا ہوں۔ اگر میرے دل میں اس کے سوا کچھ اور ہو تو قیامت کے دن حضورؐ کی شفاعت سے میں محروم رہوں۔)

۴۔ حضرت امام جعفرؑ حضرت امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں۔

ان رجلاً جاء الی ابیه زین العابدین علی بن حسین فقال اخبرنی عن ابی بکر و عمر رضی اللّٰه عنهما فقال عن الصدیق قال و تسمیه الصدیق فقال ثکلتک امک قد سماه الصدیق رسول اللّٰه والمهاجرون والانصار ومن لم یسمه صدیقاً فلا صدق اللّٰه قوله فی الدنیا والاخرة۔ (مسند دارقطنی)

(کہ ایک شخص امام زین العابدینؑ کے ہاں گیا اور پوچھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟ کہا، کیا تم صدیقؓ کے متعلق پوچھ رہے ہو۔ کہنے لگا، کیا آپ ابوبکرؓ کو صدیق کہتے ہیں؟ فرمایا۔ تمھاری ماں کا بیٹا مرے ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب رسولؐ خدا، مہاجرین اور انصار نے دیا تھا۔ جو انھیں صدیق نہ کہے خدا اسے دنیا و آخرت میں جھوٹا کرے۔)

۵۔ علامہ طبری اثنا عشری نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں آیہ والذی جاء بالصدق کی تفسیر یوں کی ہے قیل الذی جاء بالصدق

رسول اللہ ومن صدق بہ۔ ابوبکر (کہتے ہیں کہ صدق لانے والے
سے مراد رسولؐ اللہ ہیں اور تصدیق کرنے والے سے مراد ابوبکرؓ ہیں)

۶۔ اسی تفسیر میں آیہ وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی (اللیل ۱۸)
کے تحت درج ہے۔

عن ابن الزبیر قال ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر لانہ
اشتری الممالیک الذین اسلموا مثل بلالٍ و عامر ابن
فہیرہ و غیرہما واعتقہم۔

(ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوبکرؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی جس نے بلالؓ و
عامرؓ جیسے نو مسلم غلام خرید کر آزاد کر دیے تھے)

۷۔ علامہ طبرسی حضور صلعم کی آخری علالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ثم قام و تہیا الصلوٰۃ و حضر المسجد و صلی خلف ابی بکر
(احتجاج، طبع ایران، ص۵۳)

(پھر حضورؐ اٹھے، نماز کی تیاری کی، مسجد گئے اور ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی)

۸۔ حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں۔

لست بمنکر فضل ابی بکر و لست بمنکر فضل عمر ولکن
ابی بکر افضل۔ (احتجاج، ص۲۰۴)

(میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی فضیلت سے انکاری نہیں، بلکہ اتنا کہتا ہوں کہ

ابوبکرؓ افضل تھے)

۹۔ حضرت سلمان فارسی کہتے ہیں کہ حضورؐ عموماً فرمایا کرتے تھے۔

ماسبقکم ابوبکرٍ بصومٍ ولا صلوٰۃ ولکن لشیءٍ وقّرَ فی قلبہٖ۔

(موافقۃ المؤمنین، ترجمہ مجالس المؤمنین، قاضی شوستری مجلس سوم طبع آگرہ ۱۳۴۲ھ ص ۲۹۰)

(تم سے ابوبکرؓ کی سبقت و فضیلت اصوم وصلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک اور چیز کی وجہ سے ہے جو اس کے دل میں جاگزیں ہے)

یہاں دیگر صحابہ سے ابوبکرؓ کی فضیلت کا ذکر ہو رہا ہے اور اس لیے "اور چیز" سے مراد عشقِ رسولؐ ہی ہو سکتا ہے لیکن قاضی شوستری یہاں بھی پخچر لگانے سے باز نہ آئے اور کہا کہ چیز سے مراد حرص خلافت ہے جو ابوبکرؓ کے نس نس میں رچی ہوئی تھی۔ اور یہ نہ سوچا کہ حرص ایک مکروہ عیب اور بداخلاقی ہے۔ اس کی بنا پر حضورؐ نے ابوبکرؓ کو باقی صحابہ سے افضل کیسے قرار دیا تھا؟

روایت میں سبق کا لفظ ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں

سبَقَ۔ تقدّم = آگے نکل گیا

سبق علیٰ قومہ = فلاں آدمی قوم پہ سبقت لے گیا،

علاھم کرماً = یعنی شرافت و عزت میں بڑھ گیا۔

یہ لفظ قرآن میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔

السابقون الاوّلون (توبہ)

السّابقون السابقون۔ اولئک المقرّبون (الواقعہ ۱۰-۱۱)

اور عموماً اس کا مفہوم ہے۔ خدا کی طرف بڑھنے والے اور آگے نکلنے والے قاضی شوستری کی خاطر روایت، زیر نظر میں "سبق" کے معنی "بدی میں بڑھنا" کر لیں تو ساری حدیث کا ترجمہ یہ ہوگا۔

> "ابوبکرؓ تم سے بدی میں صرف نماز روزے کی وجہ سے نہیں
> بلکہ حرص خلافت کی وجہ سے بڑھ گیا ہے"

مطلب یہ ہے کہ صلوٰۃ وصوم سے بھی بدی ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اے امت میں نے تم کو یہ چیزیں اسی لیے سکھائی ہیں کہ تم بد ہو لیکن ابوبکرؓ کا تم سب سے بڑھ جانا صرف صلوٰۃ وصوم کی وجہ سے نہیں بلکہ حرص خلافت کی وجہ سے ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ غلط پچر لگانے سے بات کیا سے کیا بن گئی، امامیہ و اہل سنت کی تاریخ ایک ہے فرق پڑ گیا ہے ان پچروں سے اور ایسی پچریں ایک دو نہیں ہزارہا ہیں اور یہی ہماری بدبختی کا باعث ہیں۔

۱۰- ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ حضورؐ کی رحلت کے وقت بقول ملا باقر مجلسی صحابہ کی تعداد چار لاکھ تھی۔ شریف مرتضیٰ امامیہ کے ایک متبحر عالم تھے۔ ان کا

ایک قول "بحار الانوار" کی جلد سوم میں یوں منقول ہے۔

"جمیع مسلمانان با ابوبکرؓ بیعت کردند، و اظہارِ رضا و خوشنودی بہ او و سکون و اطمینان بسوئے او نمودند و گفتند کہ مخالفت او بدعت کنندہ ..... است"

(تمام مسلمانوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کرلی۔ اس پر رضا، خوشنودی، سکون اور اطمینان کا اظہار کیا۔ اور سب نے کہا کہ مخالفتِ بیعت ..... بدعت ہے)

جب چار لاکھ مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو مسلمان سمجھ کر حضورؐ کے بعد نور کی مسند پر بٹھا دیا تھا۔ تو اتنی بڑی شہادت و اجتماع کو مسترد کرنے کے لیے اس سے بڑی شہادت درکار ہے، جو اس دور کی تاریخ سے قطعی نہیں مل سکتی۔

۱۱۔ تفسیر قمی جو حضرت امام حسن عسکری کی طرف منسوب ہے، میں اذ اخرجہ الذین کے تحت درج ہے۔

لما کان رسول اللہ صلعم فی الغار قال لابی بکر کانّی انظر الی سفینۃ جعفر و اصحابہ تقوم فی البحر و انظر الی الانصار مختبین فی افنیتہم فقال ابوبکر تراہم یا رسول اللہ قال نعم قال فارنیہم فمسح علی عینیہ فراھم فقال لہ رسول اللہ صلعم انت الصّدّیق۔ (تفسیر قمی، ص۱۵۷)

(جب حضور صلعم غار میں تھے تو ابوبکرؓ سے کہنے لگے مجھے جعفرؓ اور اس کے رفقا (جو اس وقت حبشہ میں تھے) کی کشتی دریا میں کھڑی نظر آرہی ہے۔ نیز مجھے مدینہ کے انصار دکھائی دے رہے ہیں۔ جو اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا کیا آپ دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا بیشک۔ کہا مجھے بھی دکھایئے چنانچہ آپ نے اس کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا اور اسے سب کچھ نظر آگیا۔ بعد ازاں حضورؐ نے فرمایا تو صدیقؓ ہے)۔

۱۲- ملا عبدالجلیل قزوینی امامیہ کے ایک بلند پایہ عالم ہو گزرے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "نقض الفضائح" میں لکھتے ہیں

واما ثنائے خلفا پس براں انکارے نیست، بزرگان اند از مہاجرین
والسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ ....."

(خلفا کی تعریف سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ یہ بزرگ مہاجرین
اور السَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ میں داخل ہیں ....)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

"اما آنچہ سیرتِ ابوبکرؓ و عمرؓ و دیگر صحابہ بیان کرد مجملے است نہ مفصل، آں را خلاف نہ کردہ اند شیعہ، الّا درجۂ خلافت و امامت را کہ شیعہ انکار کنند در ایشاں کہ درجۂ امامت نہ داشتند و آں فقدانِ عصمتُ

-خصوصیت و کثرت علمی است، اما صحابۂ رسول ایشاں را دانند و از
درجہ نہ گذرانند"

(وہ جو ابوبکرؓ، عمرؓ اور دیگر صحابہ کی سیرت کا مجملاً ذکر ہوا ہے شیعوں کو اس سے انکار نہیں۔ البتہ شیعہ اتنا ضرور کہتے ہیں کہ یہ خلفا درجہ امامت نہیں رکھتے تھے۔ نہ یہ معصوم تھے۔ نہ ان کی امامت پہ کوئی نص تھی۔ اور نہ امیر المومنین کی طرح تبحرِ علمی رکھتے تھے۔ البتہ انھیں رسول کے صحابہ میں ضرور شمار کرتے ہیں اور ان کا درجہ کم نہیں کرتے)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ امامیہ کے صحیح الخیال علماء ائمہ خلفا کے متعلق کس قدر بلند رائے رکھتے تھے۔

عمرؓ ابن الخطاب

حضرت عمرؓ کے اسلامی کارنامے یہ تھے۔

۱۔ آپ حضورؐ کے ہمراہ تمام غزوات میں شامل ہوئے

۲۔ فتح مکہ کے دن حضورؐ نے مردوں سے بیعت لی اور عورتوں سے بیعت لینے پر حضرت عمرؓ کو مقرر کیا۔

۳۔ ۹ھ میں جب حضورؐ نے روم پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو فاروقِ اعظمؓ نے اپنی املاک کا نصف پیش کیا اور اس موقع پہ یہ سب سے بڑا عطیہ تھا۔

۴۔ آپ نے عراق، ایران، شام، فلسطین، مصر، ترکستان، سیستان اور ایشیائے صغیر کے بعض ممالک کو قلمرو اسلام میں شامل کیا۔ یہ تمام ممالک

اندازاً تیرہ لاکھ مربع میل بنتے ہیں۔

۵۔ مکہ و مدینہ کے درمیان ہر منزل پہ سرائیں، چوکیاں اور کنوئیں تیار کرائے۔

۶۔ بصرہ میں نو میل لمبی نہر ابو موسیٰ کھدوائی، نیز دریائے نیل کو ایک نہر (نہرِ امیر المومنین) کے ذریعے بحیرہ احمر سے ملایا

۷۔ مندرجہ ذیل شہروں کی بنا آپ ہی نے ڈالی۔

عراق میں موصل، بصرہ اور کوفہ اور مصر میں فسطاط جو اس وقت مصر کا پایۂ تخت تھا[1]۔

۸۔ آپ عہد خلافت میں بھی عموماً مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ اگر فرصت نہ ملتی تو بیت المال سے دو درہم (سات آنے پاکستانی) لے لیتے۔ رات بھر یا عبادت کرتے اور یا پہرہ دیتے، بہت کم سوتے۔ مدینہ کی نواحی بستیوں میں رہنے والی بے سہارا عورتوں کے گھروں تک کھجوروں اور غلّے وغیرہ کی بوریاں اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لے جاتے۔ آپ کی قمیص کو عموماً کئی کئی پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ کے انصاف کی کہانیوں سے

---

[1] یہاں تک پہنچا تھا کہ سخت نیند نے آلیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حسین سرزمین میں جانکلا ہوں جہاں بڑے بڑے محل ہیں، بجلی کی قندیلیں اور سورج بھی نہیں، ہر طرف سبزہ، دریا اور خوبصورت پہاڑ ہیں مجھے ایک محل میں جگہ دی گئی اور نوکر چاکر میری خدمت میں لگا دیئے گئے۔ مجھے بتایا گیا کہ تم جنت میں آگئے ہو۔ میں بے حد مسرور و مست ہر طرف گھوم رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی اور معاً خیال آیا کہ شاید میری اس کتاب اور اس کوششِ اتحاد کو اللہ نے پسند فرما لیا ہے۔ برقؔ یکم اگست ۵۸ء

تاریخ بھری پڑی ہے۔ چند ایک علامہ شبلی کی ”الفاروق“ میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے چار ہزار مساجد بنوائی تھیں۔

۹۔ حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللھمّ اعز الاسلام بعمر بن الخطّاب او بابی جہل بن ہشام۔

(بحار الانوار کتاب السماء والعالم)

(حضورؐ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ عمرؓ بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کو مسلمان بنا کر اسلام کی شان و شوکت میں اضافہ کر)

عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ مصنف ”حملہ حیدری“ کی زبانی سنیئے۔

”ایک روز ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمدؐ کا سر کاٹ لائے گا، اسے بیس دیبائے مصری، بُرد یمانی اور چند سیر چاندی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ بھی دوں گا۔ یہ سن کر عمرؓ کی رگ حرص بھڑکی اور تلوار لے کر خانۂ رسولؐ کی طرف چل دیے۔ راہ میں کسی نے کہا۔

کہ ہمشیرہ ات نیز با جفت خویش گرفت است دین محمد بہ پیش
برآشفت ابا حفص ازیں گفتگو بگفتا بریزم کنوں خون او

کہ تمہاری بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس پر عمرؓ بھڑکا اور کہا۔ میں پہلے اُن کی گردن اُڑا دوں گا۔ چنانچہ بہن کے گھر گیا۔ دروازے سے

کان لگائے۔ قرآن پڑھنے کی آواز آئی، اندر جا کر بہنوئی کو زمین پہ دے مارا اور اس کے سینے پہ بیٹھ کر گلا داب لیا۔ بہن دوڑی۔ روئی، پیٹی اور کہنے لگی

کنوں گر کُشی سر بداریم پیش
ولے بر نگردیم از دینِ خویش

بھیا۔ اگر ہمیں جان سے مارنا چاہتے ہو۔ تو ہم حاضر ہیں لیکن ہم اس دین کو کسی طرح چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اس پر عمرؓ نے پوچھا۔ کہ تم نے کیا دیکھا ہے۔ کہ محمدؐ کا دین اس قدر پسند آگیا ہے۔ کہا۔ قرآن۔ بولا۔ اچھا تو اس سے کچھ سناؤ۔ جب بہن نے چند آیات پڑھیں تو

دلش زاں شنیدن بسے نرم شد
بہ سودائے اسلام سرگرم شد

عمرؓ کا دل پگھل گیا۔ اور قبولِ اسلام کے لئے بے تاب ہو گیا حضورؐ کی خدمت میں پہنچا، اسلام لایا۔ حضورؐ بہت خوش ہوئے اور

بگفتند اصحاب ہم تہنیت
وزاں بیشتر یافت دیں تقویت

صحابہ نے بھی مبارک کہی۔ عمرؓ کے اسلام لانے سے دین کو بڑی تقویت ملی۔ عمرؓ نے کہا، جب بتوں کی پرستش علانیہ ہو رہی ہے تو خدا کی عبادت کیوں چھپ کر کی جائے چلیے بیت اللہ کی طرف۔ چنانچہ سب اس شان سے روانہ ہوئے کہ

ہمی وقت جبریل بالائے سر — بہ فرقِ ہمایوں بگسترده پر
ملائک چپ راست در دور باش — شیاطین زہیبت شده پاش پاش

کہ جبریل سر پر اُڑ رہے تھے اور اُس کے پروں کا سایہ حضورؐ کے فرق ہمایوں پہ تھا۔ دائیں بائیں فرشتے دورباش کی صدائیں لگا رہے تھے اور شیاطین ہیبت سے پاش پاش ہو چکے تھے۔"

(ملخص حملہ حیدری ج ۱ ص۲۱)

کفار کو معلوم ہوا تو وہ گروہ در گروہ راہ پہ آگئے اور لگے عمرؓ پہ طعن و تشنیع کا مینہ برسانے۔ عمرؓ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے

مالِي اراكم كلكم قياما
الكهل والشُّبانَ والغُلاما
قد بعث الله لنا إماما
محمداً قد شرَعَ الاسلاما
حقاً وقد يكسر الاصناما
تذُبُّ عنه الخال والاعماما

میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام جوان، بوڑھے، بچے یہاں آکر کھڑے ہو گئے ہیں سنو! اللہ نے محمدؐ کو ہمارا امام بنا کر اور اسلام دے کر بھیجا ہے یقیناً یہ بتوں کو توڑے گا اور ہم اس کی وجہ سے اپنے چچوں اور ماموں

کی حفاظت کریں گے۔) (ناسخ التواریخ، ص ۱/۶۱)

۱۰۔ کشف الغمہ میں محمد بن خالد کی سند سے یہ روایت درج ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے دورانِ خطبہ میں حاضرین سے پوچھا۔ کہ اگر میں اسلام سے منحرف ہو جاؤں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت علیؓ نے فوراً کہا کہ ہم تمہیں معزول کر کے نیا خلیفہ لائیں گے۔ اس کے بعد اگر تم نے توبہ کر لی تو ہم تمہاری توبہ قبول کریں گے ورنہ تمہاری گردن اڑا دیں گے۔ اس پر فاروقِ اعظمؓ نے کہا۔ الحمد للہ کہ ہم میں ایسے آدمی موجود ہیں کہ اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر سکتے ہیں۔ (ملخص)

اگر حضرت عمرؓ کافر ہوتے۔ تو امیر کا جواب یہ ہوتا۔ کہ تم تو پہلے ہی کافر ہو، اسلام سے تمہارے منحرف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت عثمانؓ

حضرت عثمانؓ ذاتی طور پر نہایت شریف الطبع باحیا، متقی عبادت گذار اور رمنجاں مرنج قسم کے انسان تھے لیکن بحیثیتِ ناظم و مدبر وہ کامیاب نہیں رہے۔ ان کے دَور میں عُمّال آزاد سے ہو گئے تھے۔ کنبہ پروری کی وبا ہر سو پھیل گئی تھی، خود خلیفہ ثالث اور اُن کے وزیر مروان بن حکم نے اچھے اچھے مکانات بنوا لئے تھے۔ ملک میں اضطراب پھیل گیا تھا، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسی ہستیاں بھی "بَدَّلتَ وَغَیَّرتَ" (تم خود بدل گئے اور سب کچھ بدل ڈالا) کی صدا لگا رہی تھیں۔ یہی اضطراب

بالآخر اُن کی شہادت کا باعث بنا۔

ان کمزوریوں کے باوجود اُن کی بعض اسلامی خدمات قابل ستائش ہیں مثلاً

۱۔ آپ کاتبینِ وحی میں سے تھے۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن کے ہزارہا نسخے تیار کرائے۔

۲۔ ۲۹ھ میں آپ نے مسجد نبوی کو چونے اور پتھر سے بنوایا اور پچاس گز وسیع کیا۔

۳۔ اسلامی بیڑے کے بانی آپ ہی تھے۔ آپ نے سمندری جزائر کو فتح کرنے کے لئے پانچ سو جہازات بنوائے

۴۔ آپ نے ممالک ذیل کو مسخر کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا۔
جزیرہ قبرص (سائپرس)، طرابلس، الجیریا، مراکش، طبرستان اور افغانستان۔ ان ممالک کا رقبہ قریباً پندرہ لاکھ مربع میل بنتا ہے۔

۵۔ حضور صلعم کو آپ سے اس قدر محبت تھی۔ کہ اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دیں اور بیعت رضوان میں ان کی طرف سے اپنے ہاتھ خود بیعت کی۔ یہ واقعہ پچھلے اوراق میں درج ہو چکا ہے

تو یہ تھے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم

گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ حضرت امیر المومنینؑ سے لے کر امام حسن عسکری تک تقریباً سب ائمہ اور بڑے بڑے علما و مجتہدین امامیہ نے خلفائے ثلثہ کے ایمان پہ شہادت دی ہے۔ اور ان کی تائید اہل سنت کی لاکھوں روایات اور خود قرآن سے بھی ہوتی ہے۔ اس لیے تاریخ کا ایک طالب العلم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہے کہ یہی روایات صحیح ہیں۔ اور جن روایات میں کفر صحابہ کا ذکر ہے۔ وہ بعد کی اختراع ہیں۔ روایاتِ ایمان کو صحیح تسلیم کرنے سے اختلاف ختم ہوتا، ملّت کا وقار بڑھتا اور غلبۂ اسلام کا راستہ کھلتا ہے۔ اور روایاتِ کفر پہ اڑے رہنے کا نتیجہ دھینگا مشتی، خوں ریزی، ملک میں بدامنی، نفرت، جگ ہنسائی، ملّت کی تباہی و رسوائی ہے۔ کوئی ہے جو دیدہ و دانستہ کنویں میں گرے، گھر کو آگ لگا کر تماشہ دیکھے؟ اور اپنے ہاتھ سے اپنا گلا کاٹے؟ اگر دنیا میں کہیں بھی ایسا حواس باختہ انسان موجود نہیں تو پھر اے فرزندانِ اسلام! آپ اپنی بربادی پہ ادھار کھائے کیوں بیٹھے ہیں قدح صحابہ کس مرض کا علاج ہے؟ اور اس سے دین و دنیا کی کون سی بہتری حاصل ہو سکتی ہے؟

* * *

باب ہشتم

تقیہ

اہل سنت کے مناظرین عموماً کہتے اور لکھتے رہتے ہیں کہ شیعہ نہایت بے باکی سے جھوٹ بولتے ہیں اور اس کا نام تقیہ رکھا ہوا ہے۔ یہ الزام سراسر غلط ہے۔ تقیہ کے لفظی معنی ہیں ڈرنا۔ بچنا اور کسی چیز کی آڑ لے کر بچاؤ کرنا۔ بقول علامہ شیخ محمد حسین[1] آل کاشف الغطا

> "یہ ایک عقلی ضرورت اور فطری تقاضہ ہے۔ شریعت اسلامی کا کوئی حکم ایسا نہیں جس میں عقل و دانش کا توافق نہ دکھائی دے۔ ...... جبلت بشری کا جائزہ لیجیے تو اقرار کرنا پڑے گا کہ ہر انسان اپنی جان کا بچاؤ کرتا ہے۔ ...... شارع مقدس نے خطروں کے موقع پر اجازت

---

[1] نجف اشرف کے رہنے والے۔ امامیہ کے ایک مجتہد۔ اس وقت بقید حیات ہیں۔

دی ہے کہ وہ مسلمان جو خطروں میں گھرا ہوا ہو اور اس کی جان یا ناموس کو گزند پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہو تو وہ باطناً عمل کرتے ہوئے بظاہر اخفائے حق سے کام لے سکتا ہے ..... تقیہ پر عمل کرنے کے تین احکام ہیں۔ (۱) بے مقصد جان جا رہی ہو تو واجب ہے۔ (۲) اگر (بوقت خطرہ) اظہارِ حق مفید مقصد ہو تو عمل اور ترک عمل دونوں میں اختیار ہے۔ (۳) لیکن اگر باطل کو قوت پہنچے۔ اُمّت گمراہ ہونے لگے اور جور و ستم میں شدت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر تقیہ حرام ہے۔"

(اصل اصول شیعہ طبع رپن پریس لاہور ۱۹۵۵ء ص ۱۵۳)

فرض کیجیے کہ ایک کافر آپ کے سینے پر پستول رکھ کر کہتا ہے کہ خدا کا انکار کرو ورنہ گولی مار دی جائے گی۔ گھر میں آپ کے چھ سات بچے ہیں۔ اُن کا کوئی اور کفیل نہیں۔ آپ خود کسی علمی و عملی شعبے میں قوم کی بہترین خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان حالات میں قرآن آپ کو اجازت دیتا ہے کہ اس کافر کی خواہش کو پورا کریں اور بے مقصد جان نہ کھوئیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ
مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ
غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (النحل ۱۴/۱۰۶)

(جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے اور اس کا سینہ کفر کے لیے کھل جائے تو ایسے لوگوں پہ اللہ کا غضب نازل ہوگا اور انھیں المناک عذاب دیا جائے گا۔ ہاں وہ شخص مستثنا ہے جسے کفر و انکار پہ مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پہ مطمئن ہو)

حضور کی ساری زندگی کفار کے خلاف جہاد میں گذری۔ اس لیے کفار آپ سے سخت نالاں تھے، وہ ہر وقت سازشیں کرتے، مسلمانوں سے بہ فریب فوجی راز پوچھتے اور انھیں نقصان پہنچانے کے لیے کسی بات سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضور نے مسلمانوں کو ان کی دوستی سے روک دیا تھا۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ۔ (عمران ۱۲/۱۱۷)

(اے ایمان والو! اپنے سوا کسی اور کو اپنا رازدار نہ بناؤ کہ یہ لوگ تمہاری تباہی میں کوشاں رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمھیں تکلیف پہنچے۔ ان کی باتیں بغض و عناد کا پتہ دے رہی ہیں اور جو کچھ ان کے سینوں میں نہاں ہے۔ وہ بہت زیادہ ہے)

ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کہیں ظاہری تعلقات رکھنے پر مجبور ہو جاؤ تو ہم کوئی مواخذہ نہیں کریں گے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ
يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ط
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ۔ (عمران ۳/۲۸)

(مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنوں کو چھوڑ کر کفار سے طرح دوستی نہ ڈالیں جو شخص ایسا کرے گا، اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا. ہاں اگر بچاؤ (قومی یا انفرادی) کے لیے ضروری ہو تو کر لو۔ تم صرف اللہ سے ڈرو)

ان آیات سے تقیہ کی صورت سامنے آگئی۔ کہ اگر جان جانے کا خطرہ ہو۔ تو کلمہ کفر کی اجازت ہے بچاؤ منظور ہو تو کفار سے تعلقات رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن اگر کوئی شخص خطرے کے بغیر کوئی ایسی بات کرے جس سے اُمت کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہو۔ دروغ و فریب کا جواز نکلتا ہو یا آدمی دوغلہ معلوم ہوتا ہو تو پھر یہ تقیہ نہیں رہتا۔ بلکہ ایک بداخلاقی بن جاتی ہے۔

حضور صلعم آغاز میں چھپ کر نماز پڑھتے رہے لیکن آپ نے کبھی دین کفار کی تائید نہیں کی۔ بتوں کو اچھا نہیں کہا۔ کسی بوجہل یا بولہب کی تعریف نہیں کی. بلکہ علی الاعلان تبلیغ دین کا فرض ادا کیا، کفار سے دکھ اٹھایا. طائف میں آپ پر سنگ باری ہوئی۔ قتل کے مشورے ہوئے۔ آپ کو شعب ابی طالب میں قید رکھا گیا نماز میں آپ پہ اوجھری اور دیگر غلاظتیں پھینکی گئیں۔ آپ کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ نو مسلموں کو روح فرسا عذاب دیے گئے لیکن آپ یہی

فرماتے رہے۔

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ

(میں تمہارے بتوں کی کبھی عبادت نہیں کروں گا)

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ

(اگر (ابوجہل) باز نہ آیا۔ تو ہم اس کی خطا کار اور جھوٹی پیشانی کو زمین پہ رگڑ دیں گے (اور بدر میں یہی ہوا)

اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ

(بدکار جہنم کا ایندھن بنیں گے)

سورۃ مرسلٰت میں حضورؐ نے اپنے انکار کرنے والوں پر دس مرتبہ لعنت بھیجی ہے وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ) سورۃ مدثر میں انھیں بدکتے ہوئے گدھے (حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ) کہا ہے "القلم" میں انھیں "جھوٹا، سفلہ، بدگو، غماز، بدکن، حدود شکن، بدکار، اکھڑ اور شر پر" قرار دیا ہے۔ ان کے بتوں کو بار بار جہنم کا ایندھن قرار دیا ہے۔ اگر حضورؐ ایک دفعہ بھی کفار سے ڈر کر ان کے خداؤں کی تعریف کرتے یا کسی اور پہلو میں جھک جاتے تو حضورؐ کا احترام صحابہ کے دلوں سے اٹھ جاتا اور اسلام وہیں ختم ہو جاتا۔ دین کے معاملے میں یہ تمام بزرگ اسی کردار کے مالک تھے۔ شہیدِ اعظم نے سارا خاندان کربلا میں کٹا دیا۔ لیکن فاسق کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا۔ اگر امیر المومنین علیؑ نے ابوبکرؓ

؎ یہ اور اس کے بعد کی تمام آیات مکی ہیں۔

کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تھا تو اس کی وجہ تقیہ نہیں تھا۔ بلکہ آپ ابوبکر کو ایک نہایت راسخ الایمان، متقی اور صالح العمل مسلمان سمجھتے تھے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت امیرؑ کی مدحِ خُلفا اور بیعت تقیۃً تھی۔ وہ ان کے کردار پہ حملہ کرتے ہیں۔ حضورؐ کی مکی زندگی خطرات میں گھری ہوئی تھی۔ آپ پر مکہ میں پچاسی[1] سورتیں نازل ہوئیں۔ ان میں ایک بھی ایسی آیت موجود نہیں جس میں کفار یا ان کے اصنام کی مدح پائی جاتی ہو۔ تاریخ کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ زہد و تقویٰ قوت و شجاعت اور بے باکانہ حق گوئی میں حضرت امیر علیہ السلام حضور صلعم سے پوری مشابہت رکھتے تھے۔ اگر حضورؐ نے مکہ کے بارہ سالہ قیام میں انتہائی خطرات کے باوجود بتوں کو اچھا نہیں کہا اور کسی قیمت پر کفر و شرک سے مصالحت نہ کی تو میں یہ کیسے تسلیم کر لوں کہ حضرت امیرؑ نے "ایک" غاصب ظالم اور عاصیٔ خدا و رسولؐ کے ہاتھ پہ بیعت کر کے ظلم و نفاق سے صلح کر لی تھی۔

ائمہ اہل بیت کو جو کتاب عہد و وراثت میں ملتی تھی۔ اس میں ایک ہدایت یہ تھی۔

حَدِّثْ النّاسَ وافتهم ولا تخافنّ الا الله

(اصول کافی، طبع لکھنؤ، ص۱۷۲)

(لوگوں کو حدیث سناؤ اور فتوے دو اور اللہ کے سوا کسی سے ہرگز نہ ڈرو)

---

[1] کل سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ ان میں سے ۸۵ مکہ میں اور ۲۹ مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔

اس کی تائید قرآن کی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ

(اگر مومن ہو تو انسانوں سے مت ڈرو بلکہ صرف مجھ سے ڈرو)

وَلَا يَخْشَوْنَ اِلَّا اللّٰهَ

(اللہ کے بندے اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے)

نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا۔ فرعون نے اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ حضرت کلیمؑ کا پیچھا کیا، حضرت ادریسؑ کو آرے سے چیرا گیا، حضرت مسیح علیہ السلام دار پہ چڑھ گئے۔ لیکن یہ حضرات کفر کے سامنے نہ جھکے۔ ان لوگوں کی یہی وہ بلندیاں تھیں جن کے سامنے آسمان بھی پست نظر آتے ہیں۔ اگر حضرت حسینؑ یزید کے سامنے جھک جاتے۔ تو کچھ بھی نہ رہتے۔ گو خطرے کی حالت میں اللہ نے کلمہ کفر کی اجازت دی ہے لیکن اس رعایت سے ان عظیم ہستیوں نے کبھی بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ انبیا و ائمہ کا تو کیا ذکر معمولی معمولی رہنماؤں (سقراط وغیرہ اور آزادی ہند کی تحریک میں ابوالکلام، انصاری محمد علی، شوکت علی جیسے ہزارہا کارکن) نے بھی قید و بند کی سختیاں گوارا کیں اور اپنے موقف کو نہ چھوڑا۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت امیرؑ "کافروں" کی تعریف کرتے، ان کی خلافت پہ مہر تصدیق لگاتے اور مہمات میں ان سے تعاون فرماتے۔

ایک سازش

جن لوگوں نے تحریفِ قرآن کا مسئلہ ایجاد کیا تھا۔ اور ہزارہا چالیں چل کر شیعہ و سنی میں پھوٹ ڈالی تھی۔ میں انھیں کسی صورت اسلام کا خیر خواہ نہیں سمجھتا۔ وہ اہل سنت ہی کے دشمن نہیں تھے۔ بلکہ انھیں امامیہ سے بھی اتنا ہی بیر تھا۔ ان لوگوں نے اگر ایک طرف خلفائے ثلثہ کی توہین کی تو دوسری طرف ائمہ اہلبیت کو بھی اپنے مقام سے گرانے کے لیے پر اسرار حربے استعمال کیے۔ اُن میں سے ایک تقیہ تھا۔ قرآنی تقیہ نہیں بلکہ ایک نئے قسم کا تقیہ۔ اس سلسلے میں ان لوگوں نے عجیب عجیب کہانیاں تراشیں اور ائمہ کی طرف منسوب کر دیں۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ ایک آدمی حضرت امام جعفرؑ کے پاس آیا۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق اُن کی رائے پوچھی۔ آپ نے فرمایا۔

ھما	امامان	عادلان	قاسطان
وہ دونوں	امام تھے	عادل	منصف

کانا	علی الحق	و	ماتا علیہ	فعلیہما
تھے	حق پر	اور	مرے حق پر	پس ہو ان دونوں پر

رحمۃ اللہ	یوم القیامۃ
اللہ کی رحمت	قیامت کے دن

جب باقی لوگ امام جعفرؑ کی مجلس سے اُٹھ گئے تو ایک مصاحب نے پوچھا

اے رسول کے فرزند! ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق آپ نے عجیب بات کہہ دی ہے

فقال نعم هما اماما اهل النار ...... واما العادلان فلعدولهما عن الحق ..... واما القاسطان فقد قال الله تعالٰی واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا والمراد من الحق الذي كان مستولين عليه هو امير المومنين حيث اذيا وغصبا حقه والمراد من موتهما على انهما ماتا على عداوته .... والمراد من رحمة الله رسول الله فانه كان رحمة للعلمين وسيكون خصما لهما ... يوم الدين

امام جعفرؑ کا قول بالکل صاف تھا کہ وہ دونوں عادل امام تھے۔ حق پہ جیئے اور حق پہ مرے۔ خدا اُن پہ رحمت کرے۔ لیکن اُس مصاحب کے جواب میں اس قول کی جو تاویل امام موصوف نے کی، وہ ذرا ملاحظہ فرمایئے۔

اصل قول	تاویل
هما امامان	هما اماما اهلِ النار
وہ دونوں امام تھے	وہ دونوں جہنمیوں کے امام تھے
عادِلان	عادلان لعدولهم عن الحق
عدل کرنے والے	حق سے عدول کرنے والے

قسطان منصف	قاسطان ظالم جہنم کے ایندھن
کانا علی الحق حق پر تھے	"حق" سے مراد علیؑ ہیں۔ اور علی کے معنی غالب۔ مطلب یہ کہ وہ دونوں علیؑ پہ غالب تھے، اور علیؑ اُن ظالموں کے سامنے مغلوب تھے، انھوں نے حقِ علیؑ کو غصب کیا اور انہیں دکھ دیا۔
ماتا علی الحق اور حق پہ مرے	ماتا علی عداوتہ وہ حق کی عداوت و مخالفت پہ مرے
فعلیہما رحمۃ اللہ یوم القیامہ قیامت کے ان پہ خدا کی رحمت ہو	رحمۃ سے مراد رسولؐ اللہ ہیں فعلیہما = ان کے مخالف قیامت کے دِن رسول اللہ ان کے دشمن ہوں گے

اگر تاویل کی حدود اتنی وسیع کر دی جائیں تو قرآن کی ہر آیت سے شیطان کو خدا اور ابوجہل کو نبی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کسی آدمی کے قول کا نہ کوئی مفہوم رہتا ہے اور نہ اُس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اگر "علیٰ" کے معنی ہر جگہ بے قرینہ و بے تعلق "مخالفت" لیے جائیں تو صل علی محمد کے معنی ہوں گے "اے اللہ محمدؐ اور رحمت میں مخالفت پیدا کر"۔ "علیہم لعنۃ اللہ" کا مفہوم ہو گا "کفار سے

لعنت کو دور رکھ"

بات یہ ہے کہ پہلا قول تو حضرت امام جعفر صادقؒ کا تھا۔ یہ تاویل کی بیچ بعد کا اضافہ ہے۔ امام جعفرؒ عموماً شکایت کیا کرتے تھے۔ کہ میرے مصاحب تاویل کے بڑے دلدادہ ہیں۔ میں کچھ کہتا ہوں اور وہ کھینچ تان کر بات کو کچھ اور بنا لیتے ہیں

اِنَّ النّاس اولعُوا بالکذبِ علینا . . . وانّی احدّثهم
بالحدیث فلا یخرج من عندی حتّی یتاولہ علے غیر تاویلہ
ذلک بانّھم لا یطلبون بحدیثنا وبحُبّنا ما عند اللّٰہ
وانما یطلبون الدنیا۔ (رجال۔ ابوعمرو کشی)

(لوگوں کو ہماری طرف جھوٹ منسوب کرنے کا بڑا شوق ہے۔ میں جب کوئی بات کہتا ہوں۔ تو سامع باہر جاتے ہی اس میں ایسے معنی ڈال لیتا ہے جو میرے ذہن میں نہیں ہوتے۔ ہماری حدیث اور ہماری محبت سے ان کا مقصد اللّٰہ نہیں بلکہ دنیا ہے)

ایک اور موقع پر امام موصوف نے فرمایا تھا۔

لا تذکروا سِرّنا بخلافِ علانیتنا ولا علانیتنا
بخلاف سِرّنا حسبکم ان تقولوا ما نقول وتصمتوا
ما نصمت

(ہمارا ظاہر و باطن ایک ہے۔ ایسی باتیں مت کہو جن سے ہمارے ظاہر و

باطن میں تضاد ثابت ہو۔ وہی کہو جو ہم کہیں اور جہاں ہم خاموش رہیں تم بھی خاموش رہو)

۲۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ جس تقیہ سے دین میں خلل اور کردار میں پستی آتی ہو وہ ناجائز ہے۔ اب یہ روایت سنیئے

سمعت ابا عبد اللّٰہ علیہ السلام یقول کان ابی علیہ السلام یفتی فی زمن بنی امیۃ ان ما قتل البازی والصقر فھو حلال وکان یتقیھم وانا لا اتقیھم وھو حرام ما قتل۔ (فروع کافی ج۲، کتاب الصید ص[illegible])

(راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفرؑ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میرے والد (امام محمد باقرؑ) عہد اُمیہ میں تقیہ کی بنا پر باز و شاہین کے مارے ہوئے شکار کو حلال کہتے تھے لیکن میں تقیہ نہیں کرتا اور اسے حرام کہتا ہوں")

۳۔ زرارہ بن اعین کہتا ہے کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا اور مجھے ایک جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا۔ اُس نے وہی مسئلہ پوچھا اور اُسے کچھ اور کہہ دیا۔ پھر ایک تیسرے آدمی کو اُسی سوال پہ ایک الگ بات کہہ دی۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے کہا اے فرزند رسول! یہ دونوں سائل عراق کے رہنے والے اور آپ کے شیعہ تھے۔ آپ نے ان کو ایک ہی بات کے مختلف جواب کیوں دیئے؟

فقال یا زرارۃ ان ھذا خیر لنا وابقیٰ لنا ولکم ولو اجمعتم علی امر واحد یصدقکم الناس علینا لکان اقل لبقاءنا وبقائکم۔

(اصول کافی طبع لکھنؤ، ص۳۷)

(فرمایا۔ اے زرارہ! یہ بات ہمارے لئے بہتر اور ہم سب کی بقا کی ضامن ہے۔ اگر تم سب ایک ہی نقطۂ خیال پر جمع ہو جاؤ۔ اور لوگ تم کو ہمارے گروہ سے سمجھنے لگیں، تو اس سے ہم سب کی زندگی کم ہو جائے گی۔)

مطلب یہ ہے کہ ہم عمداً تم میں اختلاف پیدا کرتے ہیں، مبادا کہ تمہارا فقہی اور کلامی اتحاد سیاسی اتحاد میں تبدیل ہو جائے اور تم حکومت وقت کے زیر عتاب آ جاؤ۔

۴۔ "محمدؒ بن مسلم سے روایت ہے کہ میں امام جعفرؑ صادقؑ کے ہاں گیا اور ایک خواب کی تعبیر پوچھی۔ اس وقت ابو حنیفہؒ بھی پاس بیٹھے تھے۔ امام صاحب نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ہیں تعبیر کے عالم ان سے پوچھو، میں نے کہا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری بیوی نے اخروٹ توڑ کر میری طرف پھینکے ہیں۔ ابو حنیفہؒ نے کہا۔ کہ تجھے اپنی بیوی کی میراث کے سلسلے میں اس کے کنجوس رشتہ داروں سے لڑنا پڑے گا اور بڑی جدوجہد کے بعد تم کامیاب ہو گے۔ امام صاحب نے فرمایا اَصَبْتَ واللہ یا اباحنیفہ (ابو حنیفہ! خدا کی قسم تم نے بالکل صحیح کہا ہے)۔

ابوحنیفہؒ چلے گئے تو میں نے کہا آپ پہ وارے جاؤں۔ مجھے اس ناصبی (دشمن) کی تعبیر پسند نہیں آئی۔ کہنے لگے ان لوگوں کی تعبیریں ہماری تعبیروں سے کبھی مطابقت نہیں کھاتیں اور اس لیے اس کی یہ تعبیر بھی قطعاً غلط ہے۔ میں نے پوچھا، اگر وہ غلطی پر تھا تو آپ نے اَصَبْتَ (بالکل درست کہا) کہہ کر اس کی تصدیق کیوں کی؟ فرمانے لگے میری مراد یہ تھی کہ انہ اصاب فی الخطاء کہ ابوحنیفہؒ غلط نتیجہ پر بالکل صحیح پہنچا ہے۔

(کافی، کتاب الروضہ طبع لکھنؤ، ص۱۳۱)

عربی میں جب خالی اَصَبْتَ استعمال ہوتا ہے تو اس کا ایک ہی مفہوم ہوتا ہے حَکَمْتَ بِالصواب، اَتَیْتَ بالصواب "تم نے صحیح فیصلہ کیا، تم نے صحیح بات کہی۔ یہ اصبت فی الخطا کا مفہوم تو نہ آج تک کسی نے سمجھا اور نہ کسی لغت میں درج ہے۔ بات یہاں بھی وہی ہے کہ امام موصوف نے درحقیقت ابوحنیفہؒ کی تائید کی تھی۔ یہ اَصَبْتَ فی الخطا کی بچیر بعد کی ہے۔ دنیا میں کوئی معمولی سا آدمی بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کی طرف اس قسم کے اہانت آمیز واقعات منسوب کیے جائیں۔ اور امام تو ایک ایسی بلند ہستی کا نام ہے جس کے متعلق دوغلہ پن کا تصور بھی گناہِ عظیم ہے۔"

آپ مجھ سے اتفاق فرمائیں گے کہ اس روایت تراشوں کا مقصد امامیہ و اہل سنت ہر دو کے اعاظم و اکابر کی توہین تھا۔ اہل سنت کے متعلق انھوں نے

طعن و تشنیع کے حربے استعمال کیے اور ائمہ اہلبیت کی طرف اس قسم کی کہانیاں منسوب کر دیں۔ اگر ان کہانیوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ائمہ کے کردار کی جو تصویر دماغ میں تیار ہوتی ہے اُس سے جذبۂ عقیدت کو سخت ٹھیس لگتی ہے۔

۵۔ "امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن اُبی (منافقِ مدینہ) مر گیا تو حضور صلعم اُس کے جنازے میں شامل ہوئے۔ اس پر عمرؓ بن الخطاب نے کہا، یا رسولؐ اللہ کیا آپ کو اللہ نے اس کی قبر پر آنے سے منع نہیں کیا تھا؟ حضورؐ خاموش رہے۔ دوبارہ یہی سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تمھیں کیا معلوم کہ میں نماز میں کیا کہتا رہا۔ میں نے کہا تھا اللھم احش جوفہٗ نارًا (اے اللہ اس کے پیٹ میں آگ بھر، اس کی قبر میں آگ بھر، اور اسے سیدھا جہنم میں لے جا۔ عمرؓ نے یہ بات لوگوں کو بتا دی۔ اور حضورؐ نے بہت بُرا منایا۔" (فروع کافی۔ کتاب الجنائز، ص۹۹)

سوال یہ ہے۔ کہ حضورؐ کی یہ بات اچھی تھی یا بُری، اگر اچھی تھی تو اس کی تشہیر میں جرم کیا تھا؟ اور اگر بُری تھی۔ تو اللہ تعالیٰ اُن راویوں کو معاف کرے جو حضور صلعم کی طرف بھی اس قسم کی باتیں منسوب کرنے سے باز نہ آئے۔ حضورؐ کی تریسٹھ سالہ زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا موجود نہیں جس میں اُن کے ظاہر و باطن میں ذرا سا بھی فرق آیا ہو۔ حضورؐ ہمیشہ حق کو برملا کہتے رہتے، بُرے سے علی الاعلان بچتے رہے۔ یہ بات میرے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ کہ وہ عبداللہ

بن ابی کے جنازے میں جائیں تو دعا کے لیے۔ باقی شاملین جنازہ بھی یہی نا فرم لیں اور آپ شروع کردیں لعنتیں اور بد دعائیں برسانا۔ پیغمبر کا مقام اس قسم کے چھچھورے پن سے بہت بلند ہوتا ہے۔ اس قسم کی حرکت تو شاید میں اور آپ بھی نہ کریں۔ حضورؐ کی سیرت شاہد ہے کہ آپ نے کبھی کسی دشمن کے حق میں بد دعا نہیں فرمائی تھی۔ آپ گالیاں سن کر ہمیشہ دعائیں دیتے اور جنگوں میں اعدائے اسلام کے لیے ہدایت کی دعا کیا کرتے تھے۔

۴۔ اسی قسم کا ایک واقعہ شہیدِ اعظم حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف بھی منسوب ہے،

"امام جعفر صادقؑ کہتے ہیں کہ ایک منافق کی وفات ہوگئی حسینؑ بن علیؑ بھی جنازہ کے ہمراہ چل پڑے۔ راہ میں انھیں ان کا غلام مل گیا۔ حسینؑ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ غلام کہنے لگا۔ اس منافق کے جنازے سے بھاگ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، میرے ساتھ چلو۔ اور صلوٰۃ جنازہ کے وقت میرے دائیں کھڑے ہونا۔ اور جو کچھ میں کہوں وہ کہتے جانا۔ جب نماز شروع ہوئی تو حسینؑ نے اللہ اکبر کے بعد کہا۔ اللھم العن فلاناً عبدک الف لعنۃ اے اللہ اپنے اس بندے پر مسلسل لعنتیں برسا اے اللہ اسے انسانوں اور شہروں میں ذلیل کر، اسے گرم آگ میں ڈال۔ اسے سخت عذاب میں مبتلا کر کیوں کہ یہ تیرے دشمنوں کا دوست اور دوستوں کا دشمن اور اہل بیت کا مخالف تھا۔"   (کافی، کتاب الجنائز)

مضمونِ روایت کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ البتہ چار باتیں بڑی عجیب معلوم ہوئیں۔ اوّل، امام حسینؑ کے نوکر کو تو یہ احساس تھا۔ کہ دشمن اسلام کے جنازے میں شامل ہونا جائز نہیں اور اس لیے وہ بھاگ رہا تھا۔ لیکن خود امام جنازے کے ساتھ جا رہے تھے۔ دوم، یہ بھاگنا بھی عجیب قسم کا تھا۔ راوی کا بیان تو یہ ہے، کہ وہ جنازے سے بھاگ کر کہیں پرے جا رہا تھا لیکن ہوا یہ کہ نہ جانے کہاں سے جنازے میں آ گھسا۔ پھر ایک جنازے سے جنگلوں کی طرف بھاگنے کی ضرورت ہی کہاں پیش آئی ہے۔ گھر میں بیٹھ رہیے اور معاملہ ختم ہو گیا۔ جنازہ کسی حملہ آور کا نام تو نہیں ہے کہ ہر گھر میں گھستا پھرے اور لوگوں کو جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لینا پڑے، سوم، جب نماز جنازہ میں امام حسینؑ میت پہ لعنت برسا رہے تھے۔ تو کیا بائیں طرف والا نمازی بھی سن رہا تھا یا نہیں؟ اگر نہیں، تو وہی آواز دائیں طرف والے غلام تک کیسے پہنچ رہی تھی؟ اگر سن رہا تھا تو راوی نے یہ نہ بتایا کہ اُس نے امام موصوف کے متعلق کیا رائے قائم کی تھی؟ چہارم۔ بددعا میں ایک جملہ یہ تھا "اے اللہ اُسے انسانوں اور شہروں میں ذلیل کر"۔ موت سے آدمی کا رشتہ انسانوں اور شہروں سے کٹ جاتا ہے۔ تو پھر شہروں میں ذلت کا مطلب؟

۷۔ حضور صلعم کی تاریخِ ولادت کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے اہلِ سنت عموماً ۱۲ ربیع الاول لکھتے ہیں اور شیعہ کہتے ہیں۔ کہ آپ

۱۷؍ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے "کافی" کے جامع محمد بن یعقوب کلینی نے بھی بارھویں ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ اس پر ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں۔

> "کلینی نے موافق مشہور روایتِ مخالفاں بیان کیا۔ گویا تعین روزِ ولادت میں تقیہ فرمایا" (ترجمہ اردو جلاء العیون، طبع لکھنؤ، صـ ۳۳۲)

یہ ہے تقیہ کی نئی قسم۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ قرآنی تقیہ کیا تھا۔ اور ان راویوں نے اسے گھسیٹ گھسیٹ کر کیا سے کیا بنا دیا ہے؟ اور کیسی کیسی روایات ائمہ کرام کی طرف منسوب کی ہیں۔

شاید آپ کی نظر سے میری کتاب "دو اسلام" گذری ہو۔ میں نے اس کتاب میں اُن مظالم کا ذکر کیا ہے۔ جو سُنّی راویوں نے خدا، رسول، قرآن اور دیگر صداقتوں پہ توڑے تھے۔ اور اس کتاب میں آپ نے شیعی راویوں کی کیفیت ملاحظہ فرمائی۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ کوئی مسلم جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی نورِ ایمان موجود ہو، خدا، رسول اور ائمہ سے تھوڑی سی بھی محبت رکھتا ہو، وہ ایسی روایات گھڑنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ یہ کام یقیناً ان منافقوں، یہودیوں اور دیگر اعدائے اسلام کا تھا جن کے گھروں کھیتوں اور ملکوں پہ مسلمان چھا گئے تھے اور جن کے مرد و زن غلام و کنیز بن کر مسلمانوں کے ہاں زندگی کے ملول دن بسر کر رہے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمانوں سے میدانِ جنگ میں نہ نپٹ سکے تو انھوں

ایک نیا محاذ ڈھونڈ لیا یعنی تحریفِ اسلام اور تفریقِ ملت۔ قرآن تو ایک سنگین قلعے کی طرح محفوظ تھا۔ اس پر کسی جانب سے حملہ ناممکن تھا۔ اس لیے انھوں نے حدیث کا راستہ نکالا۔ اُن لوگوں کی زبان عربی تھی۔ دو چار راوی سامنے رکھ لیے اور لگے اُن کے نام سے روایات تراشنے۔ ہم میں محقق کم تھے اور مقلد زیادہ۔ نتیجہ یہ کہ وہ روایات شیعہ و سنی احادیث میں شامل ہو گئیں۔ اور اس کے بعد ملتِ اسلامیہ کو جن خونچکاں حوادث سے دوچار ہونا پڑا اُن سے آپ آگاہ ہیں۔

یہ راوی آج بھی ہمارے دل و دماغ پہ سوار ہیں۔ اگر کوئی بات حوصلہ افزا ہے تو یہ کہ میری قوم بیدار ہو رہی ہے۔ اس کی رگوں میں افکارِ نو کا لہو دوڑ رہا ہے۔ اس کے بوڑھے تنگ نظری، تقلید اور نقالی کو جھٹک رہے ہیں۔ اس کے نوجوان نقد و نظر کے آلاتِ جدیدہ سے آراستہ ہیں۔ ملت چودہ سو برس کے اس لایعنی اختلاف سے تنگ آ چکی ہے۔ ہوا میں، فضا میں، ادب میں، آرٹ میں، وحدتِ آدم کا تصور رواں دواں ہے۔ میری قوم اپنے واعظ سے، جس کے وعظوں میں نفرت اور بولوں میں عناد و بغض ہے، دور بھاگ رہی ہے۔ اور کاروانِ آدم ایک ایسی منزل کی طرف روانہ ہے، جہاں صرف اللہ کی حکومت ہوگی، الہام کی روشنی ہوگی۔ شاہراہوں پر نور و ضیا کے بڑے بڑے مینار نصب ہوں گے، کسی پر مینارِ ابراہیم لکھا ہوا ہوگا، کسی پر مینارِ کربلا و قس علیٰ ہذا۔ ہر ساز سے ایک ہی صدا نکل رہی ہوگی۔

کہ

نسلِ آدم ایک گھرانہ ہے

محمدؐ عربی فداہ ابی و امی نے اسی منزل کا پتہ دیا تھا اور مسلمانوں کو سمجھایا تھا کہ

تیری زمیں بے حدود، تیرا افق بے ثغور
تیرے سمندر کی موج، دجلہ و ڈینوب و نیل
تیرے زمانے عجیب، تیرے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا تو نے پیامِ رحیل
تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند، جلوہ گہِ جبرئیل
مردِ سپاہی ہے تو، تیری زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں تیری پنہ لا الٰہ

میرے بھائی! جاگ، اٹھ اور آگے بڑھ کہ تیری منزل تیرے انتظار میں ہے!

اللہ آپ کے ساتھ ہو!

ضمیمہ (۱)

مسلمانانِ مکہ

جو حضورؐ کی زندگی میں اسلام لائے تھے

	نام	قبیلہ	عمر بوقتِ قبولِ اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی؟
۱	حمزہ بن عبد المطلب	ہاشم	۵۶	مہاجر
۲	علیؑ ابنِ ابی طالب	″	۱۰	″
۳	زید بن الحارثہ	″	۴۲-۴۷	″
۴	ابو مرثد الغنوی	″	۵۴	″
۵	مرثد بن ابی مرثد (حلیف)	″		″
۶	ابو کبشہ (مولیٰ)	″		″
۷	صالح شقران حبشی (″)	″		″

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی
۸	عباس بن عبدالمطلب	ہاشم	۵۵؟	مہاجر
۹	جعفر بن ابی طالب	"		"
۱۰	عقیل بن ابی طالب	"		"
۱۱	نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب	"		"
۱۲	عبداللہ بن الحارث بن عبدالمطلب	"		"
۱۳	ربیعہ بن الحارث " "	"	۵۷	–
۱۴	ابوسفیان " " "	"		–
۱۵	فضل بن عباس	"		مہاجر
۱۶	جعفر بن ابوسفیان بن ہاشم	"		
۱۷	حارث بن نوفل " "	"		
۱۸	عبدالمطلب بن ربیعہ	"		
۱۹	عتبہ بن ابی لہب	"		
۲۰	معتب بن "	"		
۲۱	اسامہ بن زید بن حارثہ (مولیٰ)	"	۹؟	مہاجر
۲۲	ابورافع	"		"
۲۳	سلمان الفارسی			"

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی؟
۲۴	عُبَیدہ بن حارث بن عبدالمطلب	المُطّلِب	۶۱	مہاجر
۲۵	الطفیل " " " "	"	۳۸	"
۲۶	الحُصَین بن الحارث "	"		
۲۷	مِسطَح بن اُثاثہ بن عبّاد	"	۲۲	مہاجر
۲۸	ابوبکر بن ابی قُحافہ بن عامر	تَیم	۵۰	"
۲۹	طَلحہ بن عبیداللہ بن عثمان	"	۸ - ۲۶	"
۳۰	صُہَیب بن سنان (مولیٰ)	"	۳۲	"
۳۱	عامر بن فُہَیرہ (")	"		"
۳۲	بلال بن رباح (")	"		"
۳۳	حارث بن خالد بن صخر	"		"
۳۴	عمرو بن عثمان بن عمرو	"		"
۳۵	عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف	زُہرہ	۴۳	"
۳۶	سَعد بن ابی وقاص بن وُہَیب	"	۱۶ - ۲۹	"
۳۷	عُمَیر بن " "	"	۱۴	"
۳۸	عبداللہ بن مسعود (مولیٰ)	"	۲۹ - ۳۷	"
۳۹	مقداد بن عمرو (حلیف)	"	۳۷	"

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی؟
۴۰	خباب بن الارت (حلیف)	زہرہ	۳۶	مہاجر
۴۱	ذوالیدین بن عمیر بن عبد عمرو	"	۲۸	"
۴۲	مسعود بن الربیع (حلیف)	"	۳۰	"
۴۳	عامر بن ابی وقاص	"		"
۴۴	المطلب بن ازہر بن عبد عوف	"		-
۴۵	طلیب بن ازہر	"		-
۴۶	عبداللہ بن شہاب الاصغر	"		مہاجر
۴۷	عبداللہ بن شہاب	"		-
۴۸	عتبہ بن مسعود (حلیف)	"		مہاجر
۴۹	شرحبیل بن حسنہ (")	"	۴۹	"
۵۰	عمر بن خطاب بن نفیل	عدی	۳۹-۳۱	"
۵۱	زید بن خطاب	"		"
۵۲	سعید بن زید بن عمرو بن نفیل	"	۲۹-۲۰	"
۵۳	عمرو بن سراقہ بن معتمر	"		"
۵۴	عامر بن ربیعہ (حلیف)	"		"
۵۵	عمرو و عاقل بن ابی بکیر (")	"	۳۲	"

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کی ہجرت کی؟
۵۶	خالد بن ابی بُکَیر (حلیف)	عَدی	۳۰	
۵۷	الیاس " " (")	"		
۵۸	عامر " " (")	"		
۵۹	واقد بن عبداللہ (")	"		مہاجر
۶۰	خَولَہ بن ابی خَولَہ (")	"		ـ
۶۱	مِہجَع بن صالح (مولیٰ)	"		ـ
۶۲	نُعیم بن عبداللہ بن اسِید	"		مہاجر
۶۳	مَعمَر بن عبداللہ بن نَضلَہ	"		"
۶۴	عَدِی بن نَضلہ بن عبدالعُزّیٰ	"		"
۶۵	عُروہ بن ابی اُثاثہ " "	"		ـ
۶۶	مسعود بن سُوَید	"		ـ
۶۷	عبداللہ بن سراقہ	"		مہاجر
۶۸	عبداللہ بن عمرؓ بن الخطاب	"	۱۰-۱۱	"
۶۹	خارجہ بن حُذافہ بن غانم	"		ـ
۷۰	نُعمان بن عدی بن نَضلَہ	"		ـ
۷۱	مالک بن خَولَہ	"		ـ

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی
۷۲	ابو عبیدہ بن جراح	حارث بن فہر	۴۰	مہاجر
۷۳	سہیل بن بیضا	〃	۳۲	〃
۷۴	صفوان 〃 〃	〃		〃
۷۵	معمر بن ابی سرح	〃		〃
۷۶	حاطب بن عمرو بن ابی سرح (یا عمرو)	〃		〃
۷۷	عیاض بن ابی زہیر	〃		〃
۷۸	عمرو بن ابی عمرو	〃	۳۰	—
۷۹	سہل بن بیضا	〃		مہاجر
۸۰	عمرو بن حارث	〃		-
۸۱	عثمان بن عبد الغنم	〃		-
۸۲	سعید بن عبد قیس	〃		-
۸۳	حارث بن 〃	〃		
۸۴	عامر بن عبد غنم	〃		
۸۵	ابو سبرہ بن ابی رہم بن عبد العزیٰ	عامر		مہاجر
۸۶	عبداللہ بن مخرمہ بن عبد العزیٰ	〃		۲۰-۹
۸۷	حاطب بن عمرو بن عبد شمس	〃		

	نام	قبیلہ	عُمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی
۸۸	عبداللہ بن سہیل بن عمرو	عامر	۶ - ۲۵	مہاجر
۸۹	عُمیر بن عوف (مولیٰ)	″		–
۹۰	وَہب بن سعد بن ابی سَرح	″	۳۲	مہاجر
۹۱	سعد بن خولَہ (مولیٰ)	″	۲۳	″
۹۲	سَلیط بن عمرو	″		″
۹۳	سَکران بن عمرو	″		″
۹۴	مالک بن زَمعہ	″		″
۹۵	عبداللہ بن قیس	″		–
۹۶	زُبیر بن عوام بن خُوَیلد	اسد	۸ - ۲۷	مہاجر
۹۷	حاطب بن ابی بُلتعہ (حلیف)	″	۳۵	″
۹۸	سَعد (مولیٰ)	″		–
۹۹	سائب بن عوّام بن خُوَیلد	″		–
۱۰۰	خالد بن حزام بن خُوَیلد	″		–
۱۰۱	اسود بن نوفل ″	″		مہاجر
۱۰۲	عَمرو بن اُمیّہ بن حارث	″		″
۱۰۳	یزید بن زَمعہ بن اسود	″		″

	نام	قبیلہ	عُمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی؟
۱۰۴	حکیم عُتبہ بن غزوان (حلیف)	نوفل	۴۰	مہاجر
۱۰۵	خباب (مولیٰ)	//	۳۱	مہاجر
۱۰۶	عثمان بن عفّان بن ابی العاص	عبدشمس	۳۹ - ۴۶	//
۱۰۷	ابوحذیفہ بن عُتبہ بن ربیعہ	//		//
۱۰۸	سالم (مولیٰ)	//		مہاجر
۱۰۹	عبداللہ جحش (حلیف)	//	۳۸ - ۴۶	//
۱۱۰	ابویزید بن رُقیش (//)	//		—
۱۱۱	عُکاشہ بن محصن (//)	//	۳۲	مہاجر
۱۱۲	ابوسنان " (//)	//	۳۵	//
۱۱۳	سِنان بن ابی سِنان (//)	//	۱۵	//
۱۱۴	شجاع بن وہب (//)	//	۲۹ - ۳۷	//
۱۱۵	مُحرز بن نضلہ (//)	//	۲۹ - ۳۲	// —
۱۱۶	عقبہ بن وہب (//)	//		—
۱۱۷	ربیعہ بن اکثم (//)	//	۳۱	مہاجر
۱۱۸	ازبد بن حُمیرہ (//)	//		//
۱۱۹	مالک بن عمرو (//)	//		—

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی؟
۱۲۰	مدلاج بن عمرو (حلیف)	عبد شمس		–
۱۲۱	ثقف 〃 〃 (〃)	〃		–
۱۲۲	خالد بن سعید بن العاص	〃		مہاجر
۱۲۳	عمرو بن سعید	〃		〃
۱۲۴	ابو احمد بن جحش (حلیف)	〃		–
۱۲۵	عبدالرحمن بن رُقیش؟ (〃)	〃		–
۱۲۶	عَمرو بن محصن (〃)	〃		–
۱۲۷	قیس بن عبداللہ (〃)	〃		مہاجر
۱۲۸	صفوان بن عمرو (〃)	〃		–
۱۲۹	ابو موسیٰ اَشعری (〃)	〃		مہاجر
۱۳۰	مُعیقیب بن ابی فاطمہ (〃)	〃		〃
۱۳۱	سُبیح (مولیٰ)	〃		–
۱۳۲	زُبیر بن عبیدہ	〃		–
۱۳۳	تمام 〃	〃		–
۱۳۴	محمد بن عبداللہ بن جحش	〃		–
۱۳۵	ابو سلمہ بن عبدالاسد بن ہلال	مخزوم		مہاجر

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی؟
۱۳۶	ارقم بن عبد مناف بن اَسَد	مخزوم	۳۴-۲۶	مہاجر
۱۳۷	شمّاس بن عثمان بن الشّرید	"		"
۱۳۸	عمّار بن یاسر (حلیف)	"	۵۶	"
۱۳۹	مُعَتِّب بن عوف (")	"	۲۱	-
۱۴۰	عیّاش بن ابی ربیعہ بن المُغیرہ	"		مہاجر
۱۴۱	سلمہ بن ہشام بن "	"		"
۱۴۲	ہبار بن سفیان بن عبد الاسد بن ہلال	"		-
۱۴۳	عبد اللہ بن " " "	"		-
۱۴۴	ولید بن ولید بن المغیرہ	"		مہاجر
۱۴۵	ہاشم بن ابی حذیفہ " "	"		"
۱۴۶	خُنَیس بن حذافہ بن قیس بن عدی	سہم		"
۱۴۷	عبد اللہ " " "	"		"
۱۴۸	قیس " " " "	"		-
۱۴۹	ہشام بن عاص بن وائل	"		مہاجر
۱۵۰	ابو قیس بن حارث	"		"
۱۵۱	عبد اللہ "	"		"

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی
۱۵۲	سائب بن حارث	سہم		—
۱۵۳	حجاج ״ ״	״		—
۱۵۴	تمیم ״ ״	״		—
۱۵۵	سعید ״ ״	״		—
۱۵۶	معبد ״ ״	״		—
۱۵۷	سعید بن عمرو	״		—
۱۵۸	عمیر بن رئاب بن حذافہ	״		مہاجر
۱۵۹	محمیہ بن جزء	״		״
۱۶۰	نافع بن بدیل	״		—
۱۶۱	عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب	جمح		مہاجر
۱۶۲	عبداللہ ״ ״ ״	״	۳۰	—
۱۶۳	قدامہ ״ ״ ״	״	۳۲	مہاجر
۱۶۴	سائب بن عثمان بن مظعون	״	۱۹ - ۲۷	״
۱۶۵	معمر بن حارث بن معمر بن حبیب	״		״
۱۶۶	حاطب ״ ״ ״	״		״
۱۶۷	خطاب ״ ״ ״	״		״

	نام	قبیلہ	عمر بوقت قبول اسلام	کیا حبشہ یا مدینہ کو ہجرت کی
۱۶۸	محمد بن حاتب	جُمح		-
۱۶۹	حارث " "	"		-
۱۷۰	عُمیر بن وُہب بن خَلَف بن وہب	"		مہاجر
۱۷۱	سُفیان بن مُعَمَّر بن جبیب " "	"		-
۱۷۲	جابر بن سفیان	"		-
۱۷۳	جنادہ " "	"		-
۱۷۴	نُبَیہ بن عثمان بن ربیعہ	"		-
۱۷۵	مُصعَب بن عُمیر بن ہاشم	عبدالدار	۳۷	مہاجر
۱۷۶	ابوالرّوم " " "	"		-
۱۷۷	سُوَیبِط بن سعد بن حرمَلَہ	"		-
۱۷۸	فِراس بن النَّضر بن حارث	"		مہاجر
۱۷۹	جَہَم بن قیس	"		"
۱۸۰	خُزَیمہ بن جہَم بن قیس	"		-
۱۸۱	عَمرو " "	"		-
۱۸۲	طُلَیب بن عُمیر	عبد	۲۲	مہاجر
۱۸۳	اُسَیّہ (مولیٰ)	ہاشم	-	-

"W. MONTGOMERY WATT—MOHAMMAD AT MECCA"

یہ فہرست مکمل نہیں۔ دیگر ماخذ سے چند اور نام بھی ملے ہیں، یہ سب کے سب مہاجر تھے۔ نام درج ذیل ہیں:-

۱ آبان بن سعید بن عاص
۲ ابن ام مکتوم
۲ ابو بردہ
۴ ابو برزہ اسلمی
۵ ابوذر غفاری
۶ ابو رہم غفاری
۷ ابو رہم اشعری
۸ ابو فکیہہ یسار
۹ عمیر بن عامر ابوہریرہ
۱۰ بریدہ بن حصیب
۱۱ ثمامہ بن عدی
۱۲ ابو عبداللہ ثوبان
۱۳ حجاج بن علاط بن خالد
۱۴ خالد بن ولید
۱۵ سعید بن عامر
۱۶ سلمہ بن اکوع
۱۷ طفیل بن عمرو بن طریف
۱۸ عبدالرحمٰن بن ابی بکر
۱۹ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب
۲۰ عبداللہ بن عمرو بن عاص
۲۱ عثمان بن طلحہ
۲۲ عقبہ بن عامر جہنی
۲۳ عمرو بن عاص
۲۴ عمرو بن عبسہ
۲۵ عمر بن عوف
۲۶ مغیرہ بن شعبہ
۲۷ نعیم بن مسعود
۲۸ نعیم بن عبداللہ بن اسید النحام

نوٹ۔ پچھلی فہرست اور اس فہرست کی میزان ۲۱۱ ہے۔ مکہ میں کچھ ایسے مسلمان بھی تھے جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ (سیرت مہاجرین، سید معین الدین ندوی)

باقی از صفحہ ۶۱

ضمیمہ (۲)

شیعی فرقے

بیس فرقوں کا ذکر باب دوم میں ہو چکا ہے۔ باقی فرقے یہ ہیں۔

۲۱۔ کاملیہ = کامل کا پیرو، جو تناسخ کا قائل تھا۔ خلفائے ثلثہ کو کافر کہتا تھا اور حضرت امیرؑ سے بھی ناراض تھا۔

۲۲۔ جناحیہ = عبداللہ بن معاویہ کا پیرو۔ تناسخ کا قائل، اور اعتقاد یہ کہ روحِ خدا انبیا سے ہوتی ہوئی حضرت امیرؑ کے بدن میں اور پھر حسنؑ، حسینؑ اور محمدؐ الحنفیہ کے جسم میں داخل ہوئی۔

۲۳۔ غمامیہ = کہتے تھے کہ موسم بہار میں اللہ بادلوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

۲۴۔ اثنینیہ۔ کہتے تھے۔ کہ محمدؐ اور علیؑ دونوں خدا تھے۔

۲۵۔ نصیریہ کہتے تھے۔ کہ خدا نے علیؑ اور آلِ علیؑ میں حلول کیا۔

۲۶۔ زرامیہ = فرائض کے تارک اور حرام کو حلال سمجھتے تھے۔ محمد الحنفیہ اور علی بن عبداللہ بن عباس کو امام مانتے تھے۔

۲۷۔ مقنعیہ = حضرت امام حسینؑ اور مقنع کی الوہیت کا قائل تھا۔

۲۸۔ کیسانیہ = کیسان حضرت علیؑ کا مولیٰ تھا۔ محمد الحنفیہ کو حیّ لایموت سمجھتا تھا اور انہی کو مہدیٔ منتظر کہتا تھا۔

۲۹۔ کرببیہ = پیروانِ ابوکریب ضریر، جو محمد الحنفیہ کی امامت و حیاتِ جاودانی کے قائل تھے۔

۳۰۔ مرتضبیہ = کہتے تھے کہ اسلامی بادشاہ کے خلاف بھی جہاد جائز ہے۔

۳۱۔ عباسیہ = علی بن عبداللہ بن عباسؓ اور منصور عباسی کی امامت کا قائل۔

۳۲۔ طیاریہ = ابوہاشم کے بعد عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کی امامت کا قائل۔

۳۳۔ مختاریہ = حسنینؑ کے بعد محمد الحنفیہ کی امامت کا قائل۔

۳۴۔ زیدیہ = زید بن علی بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب کے پیرو، خلفائے ثلثہ کے ایمان اور علی السلام کی افضلیت کے قائل تھے۔

۳۵۔ جارودیہ = ابوالجارود زیاد بن ابی زیاد کے پیرو، حسنینؑ کے بعد تعیینِ امام میں شوریٰ کے قائل تھے۔

۳۶۔ بتریہ = مفرہ بن سعد باتر کے پیرو جو خلفائے اربعہ میں سے صرف حضرت عثمانؓ کی بیعت کے قائل نہ تھے۔

۳۷۔ نعیمیہ = نعیم بن الیمان کے پیرو۔ دو پہلے خلفا کے مدّاح۔ حضرت عثمانؓ کو کافر اور حضرت امیرؑ کو امام سمجھتے تھے۔

۳۸۔ ذکینیہ = فضل دکین کے پیرو اور طلحہؓ زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے ماسوا سب صحابہ کو مسلمان سمجھتے تھے۔

۳۹۔ خشبیہ = خلف بن عبدالصمد کے پیرو، یہ کہتے تھے۔ کہ امامت صرف اولادِ فاطمہ میں محدود ہے۔ اگر کوئی دوسرا دعویٰ امامت کرے تو اُس کے خلاف جہاد کیا جائے۔

۴۰۔ یعقوبیہ = پیروان یعقوب، جو شیخین (صدیقؓ وفاروقؓ پہ تبرا کرتے تھے۔

۴۱۔ صالحیہ = حسین بن صالح کے پیرو جو بیک وقت کئی اماموں کا وجود جائز سمجھتے تھے۔

۴۲۔ حسینیہ = یہ فرقہ حسن مجتبیٰ اور اُن کے بعد حسن مثنّٰی کی امامت کا قائل تھا

۴۳۔ نفسیّہ = نفسِ زکیّہ کی موت کا منکر اور ان کی غیبت کا قائل تھا۔

۴۴۔ حکمیّہ = ہشام بن الحکم کے پیرو اور تجسیمِ خدا کے قائل کہتے تھے کہ خدا کی شکل ائمہ اہل بیت کی طرح ہے۔

۴۵۔ سالمیہ = ، ہشام بن سالم جوالیقی کے پیرو اور تجسیم کے قائل

۴۶۔ شیطانیہ = محمد بن نعمان صیرفی شیطان الطاق کے پیرو جو حضرت موسیٰ کاظمؑ پہ امامت کو ختم سمجھتے تھے۔

۴۷۔ زراریہ = پیروان زرارہ بن اعین کوفی، جو امامت کو امام جعفرؑ پہ ختم سمجھتے تھے اور صفاتِ خداوندی کو حادث مانتے تھے۔

۴۸۔ یونسیہ = پیروان یونس بن عبدالرحمان قمی، جو کہتے تھے۔ کہ خدا عرش پہ بیٹھا ہوا ہے اور اسے فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں۔

۴۹۔ مفوضہ یہ کہتے تھے کہ خدا نے دنیا محمد صلعم کے سپرد کر دی تھی اور یہ کائنات محمدؐ ہی کی پیدا کردہ ہے، اور ایک گروہ کہتا ہے کہ کائنات علیؑ کی پیدا کردہ ہے۔

۵۰۔ ناوسیہ = عبداللہ بن ناؤس بصری کے۔ پیرو، جو امام جعفرؑ کو ہی مہدی منتظر سمجھتے تھے۔

۵۱۔ عماریہ = پیروانِ عمار، جو امام جعفرؑ کے بعد اُن کے ایک فرزند محمدؒ کو امام سمجھتے تھے۔

۵۲۔ اسماعیلیہ = جو امام جعفرؑ کے بعد اُن کے فرزند اسماعیل کی امامت کے قائل تھے۔

۵۳۔ مبارکیہ = پیروان مبارک جو اسمٰعیل کے فرزند محمدؒ کو مہدیِ منتظر

سمجھتے تھے۔

۵۴۔ باطنیہ = اولادِ اسمٰعیل کی امامت کے قائل اور احکامِ اسلام پہ ظاہری عمل کے منکر تھے۔ صرف دِل (باطن) میں فرضیتِ احکام (صوم وصلوٰۃ وغیرہ) کے اعتقاد کو نجات کے لیے کافی سمجھتے تھے۔ ۵

۵۵۔ قرمطیہ = پیروان حمدان بن قرمط جو اسماعیل کو آخری امام کہتے تھے۔ ۱

۵۶۔ شمطیہ = پیروان یحییٰ بن ابی شمط، جو امام جعفرؒ کے پانچ بیٹوں، اسمٰعیل محمدؒ، موسیٰ کاظم، عبداللہ افطح اور اسحٰق کو بالترتیب امام سمجھتے تھے۔

۵۷۔ میمونیہ = پیروانِ عبداللہ بن میمون اقداح اہوازی، جو آخرت کے منکر اور عمل بالقرآن کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ۱

۵۸۔ حلفیہ = آخرت اور اعمالِ صالحہ کے منکر تھے۔

۵۹۔ برقعیہ = پیروانِ محمد بن علی برقعی، جو احکامِ شریعت کے منکر اور بعض انبیا کو بُرا بھلا کہتے تھے۔

۶۰۔ جنابیہ = پیروانِ ابوطاہر جنابی، جو مسلمان کو قتل کرنا کارِ ثواب سمجھتے تھے۔

۶۱۔ سبعیہ = جو صرف سات انبیا کو رسول مانتے تھے۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد علیہم السلام اور امام مہدیؑ۔ ۲

۶۲۔ مہدویہ = یہ امامت کو آل اسماعیل بن جعفرؑ میں محدود سمجھتے تھے۔

۶۳۔ عماریہ = پیروان عبداللہ بن عمار، جو عبداللہ افطح بن امام جعفرؑ کو آخری امام کہتے تھے۔

۶۴۔ قطعیہ = پیروانِ مفضل بن عمر جو امام موسیٰ کاظم کو آخری امام سمجھتے تھے

۶۵۔ موسویہ = یہ فرقہ امام موسیٰ کاظمؑ کی موت نیز امامت میں شک رکھتا تھا۔

۶۶۔ ممطوریہ = امام موسیٰ کاظم کی حیاتِ دوام کا قائل تھا۔

۶۷۔ رجعیہ = امام موسیٰؑ کے دوبارہ زندہ ہونے کا معتقد تھا۔

۶۸۔ احمدیہ = امام موسیٰؑ کے بعد ان کے فرزند احمد کو امام سمجھتا تھا۔

۶۹۔ جعفریہ = امام حسن عسکریؑ کے بعد اُن کے بھائی جعفرؑ کی امامت کے قائل تھے۔

۷۰۔ امامیہ = بارہ اماموں کی امامت کے قائل، تمام اصحاب کے مداح موجودہ قرآن کی صحت پہ ایمان رکھنے والے، اور اعمال و عقائد میں اہل سنت کے بہت قریب، فرق یہ کہ امامیہ افضلیتِ علیؑ کے قائل ہیں۔

(الملل والنحل۔ شہرستانی

بدر الدجیٰ تصنیف محمد جہانگیر خان طبع آگرہ ۱۸۹۲ء

ص ۱۵۷ — ۱۷۰)

ضمیمہ (۳)

شہدائے کربلا کی فہرست

(کربلا میں حضرت شہید اعظم کی چھوٹی سی فوج بہتر سپاہیوں پر مشتمل تھی جن میں سے بتیس سوار اور باقی پیادہ تھے۔ شہدا کی تعداد میں اختلاف ہے بعض بہتر لکھتے ہیں، اور بعض اٹھتر۔ مجھے مختلف مآخذ سے صرف اٹھاون شہدا کے نام ملے ہیں۔ ان میں سے بعض مشکوک ہیں اور ان پر سوالیہ نشان لگا دیے گئے ہیں)

۱	عبداللہ بن عمر کلبی	۶	عمر بن جنادہ
۲	عمر بن خالد	۷	عمر بن علی علیہ السلام
۳	خالد بن عمر	۸	ابو بکر بن 〃 〃
۴	عمر بن عبداللہ	۹	عثمان بن 〃 〃
۵	عمر بن مطاع	۱۰	حر بن یزید الریاحی

۱۱	مصعب بن یزید الریاحی	۲۸	قیس بن منبہؔ ؟
۱۲	علی بن حُر	۲۹	ہاشم بن عتبہ وقاص
۱۳	عُروہ (غلام)	۳۰	حبیب ؟
۱۴	زہیر بن حسان	۳۱	حمرا حمویر ؟
۱۵	بریر	۳۲	یزید جعفی ؟
۱۶	وہب کلبی	۳۳	انیس معقل اصبحی ؟
۱۷	سعد بن خنظلہ ؓ	۳۴	عابس شبیث ؟
۱۸	انس ؟	۳۵	ابن مسروق جعفی
۱۹	وقاص ؟	۳۶	سیلف بن حارث ؟
۲۰	شریح عبید؟	۳۷	مالک ؟
۲۱	مسلم عوسجہ اسدی ؟	۳۸	زین العابدینؑ کا ایک ترکی غلام
۲۲	ابن مسلم 〃 〃	۳۹	خنظلہ بن سعد
۲۳	بلال بن نافع	۴۰	یزید بن زیاد
۲۴	عبدالرحمان بن عبداللہ	۴۱	عبداللہ بن سعد
۲۵	یحییٰ بن سلیم ؟	۴۲	جنادہ بن حارث
۲۶	عبداللہ بن سمرہ	۴۳	ابن ابی مرہ
۲۷	مالک بن انس	۴۴	محمد بن مقداد

۴۵ عبداللہ ؟
۴۶ عبداللہ بن مسلم
۴۷ جعفر بن عقیل
۴۸ عبدالرحمٰن 〃
۴۹ محمد بن جعفر طیار
۵۰ عون بن عبداللہ بن جعفر
۵۱ عبداللہ بن حسن علیہ السلام
۵۲ قاسم بن حسن علیہ السلام
۵۳ جعفر بن علی علیہ السلام
۵۴ عبداللہ 〃 〃
۵۵ عباس 〃 〃
۵۶ علی اکبر بن حسینؑ
۵۷ علی اصغر 〃
۵۸ امام حسینؑ

(حملۂ حیدری
بدر الدجیٰ مصنفہ محمد جہانگیر خاں طبع آگرہ
۱۸۹۲ء، ص ۲۰۴)

ضمیمہ (۴)

خلفائے راشدین

ملوکِ اموی، سلاطین عباسیہ و بنو فاطمہ مصر

۱۔ خلفائے راشدین

سال ہجری	نام	سال عیسوی
۱۱ھ	ابوبکرؓ	۶۳۲ء
۱۳ھ	عمرؓ	۶۳۴ء
۲۳ھ	عثمانؓ	۶۴۴ء
۳۵-۴۰ھ	علیؑ	۶۵۶-۶۶۱ء

۲۔ ملوکِ اموی

سال ہجری	نام	سال عیسوی
سنہ ۴۱ھ	معاویہؓ اول بن ابوسفیان	سنہ ۶۶۱ء
سنہ ۶۰ھ	یزید اول بن معاویہ	سنہ ۶۸۰ء
سنہ ۶۴ھ	معاویہ ثانی بن یزید	سنہ ۶۸۳ء
سنہ ۶۴ھ	مروان اول بن حکم	سنہ ۶۸۳ء
سنہ ۶۵ھ	عبدالملک بن مروان	سنہ ۶۸۵ء
سنہ ۸۶ھ	ولید اول بن عبدالملک	سنہ ۷۰۵ء
سنہ ۹۶ھ	سلیمان 〃 〃	سنہ ۷۱۵ء
سنہ ۹۹ھ	عمر بن عبدالعزیز بن مروان	سنہ ۷۱۷ء
سنہ ۱۰۱ھ	یزید ثانی بن عبدالملک	سنہ ۷۲۰ء
سنہ ۱۰۵ھ	ہشام 〃 〃	سنہ ۷۲۴ء
سنہ ۱۲۵ھ	ولید ثانی بن یزید ثانی	سنہ ۷۴۳ء
سنہ ۱۲۶ھ	یزید ثالث بن ولید اول	سنہ ۷۴۴ء
سنہ ۱۲۶ھ	ابراہیم 〃 〃	سنہ ۷۴۴ء
سنہ ۱۲۷-۱۳۲ھ	مروان ثانی بن محمد بن مروان اول	سنہ ۷۴۴-۷۵۰ء

۳۔ عباسیہ

سال ہجری	نام	سال عیسوی
۱۳۲ھ	سفاح	۷۵۰ء
۱۳۶ھ	منصور	۷۵۴ء
۱۵۸ھ	مہدی	۷۷۵ء
۱۶۹ھ	ہادی	۷۸۵ء
۱۷۰ھ	رشید	۷۸۶ء
۱۹۳ھ	امین	۸۰۹ء
۱۹۸ھ	مامون	۸۱۳ء
۲۱۸ھ	معتصم	۸۳۳ء
۲۲۷ھ	واثق	۸۴۲ء
۲۳۲ھ	متوکّل	۸۴۷ء
۲۴۷ھ	منتصر	۸۶۱ء
۲۴۸ھ	مستعین	۸۶۲ء
۲۵۱ھ	معتز	۸۶۶ء
۲۵۵ھ	مہتدی	۸۶۹ء
۲۵۶ھ	معتمد	۸۷۰ء

سال ہجری	نام	سال عیسوی
۲۷۹ھ	معتضد	۸۹۲ء
۲۸۹ھ	مکتفی	۹۰۲ء
۲۹۵ھ	مقتدر	۹۰۸ء
۳۲۰ھ	قاہر	۹۳۲ء
۳۲۲ھ	راضی	۹۳۴ء
۳۲۹ھ	متقی	۹۴۰ء
۳۳۳ھ	مستکفی	۹۴۴ء
۳۳۴ھ	مطیع	۹۴۶ء
۳۶۳ھ	طائع	۹۷۴ء
۳۸۱ھ	قادر	۹۹۱ء
۴۲۲ھ	قائم	۱۰۳۱ء
۴۶۷ھ	مقتدی	۱۰۷۵ء
۴۸۷ھ	مستظہر	۱۰۹۴ء
۵۱۲ھ	مسترشد	۱۱۱۸ء
۵۲۹ھ	راشد	۱۱۳۵ء
۵۳۰ھ	مقتفی	۱۱۳۶ء

سال ہجری	نام	سال عیسوی
۵۵۵	مستنجد	۱۱۶۰
۵۶۶	مستضئ	۱۱۷۰
۵۷۵	ناصر	۱۱۸۰
۶۲۲	ظاہر	۱۲۲۵
۶۲۳	مستنصر	۱۲۲۶
۶۴۰-۶۵۶	مستعصم	۱۲۴۲-۱۲۵۸

۴۔ بنو فاطمہ مغرب

سال ہجری	نام	سال عیسوی
۲۹۷	مہدی، ابو محمد عبید اللہ	۹۰۹
۳۲۲	قائم، ابوالقاسم محمد	۹۳۴
۳۳۴	منصور، ابو طاہر اسمٰعیل	۹۴۵
۳۴۱	معز، ابو تمیم معد	۹۵۲
۳۶۵	عزیز، ابو منصور نزار	۹۷۵
۳۸۶	حاکم، ابو علی منصور	۹۹۶
۴۱۱	ظاہر، ابو الحسن علی	۱۰۲۰
۴۲۷	مستنصر، ابو تمیم	۱۰۳۵
۴۸۷	مستعلی، ابو القاسم احمد	۱۰۹۴

سال ہجری	نام	سال عیسوی
۴۹۵ھ	منصور، امیر ابو علی عامر	۱۱۰۱ء
۵۲۴ھ	حافظ، ابو المیمون عبد المجید	۱۱۳۰ء
۵۴۴ھ	ظافر، ابو المنصور اسمٰعیل	۱۱۴۹ء
۵۴۹ھ	فائز، ابو القاسم عیسیٰ	۱۱۵۴ء
۵۶۷-۵۵۵ھ	عاضد، ابو محمد عبد اللہ	۱۱۷۱-۱۱۶۰ء

۔ تاریخ سلاطین اسلام، از لین پول

(MOHAMMADAN DYNASTIES)

ماخذ

۱۔ کتبِ امامیہ

۱۔ نہج البلاغت	مکتوبات وخطبات امیر علیہ السلام
۲۔ کافی	ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی
۳۔ تہذیب الاحکام	شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی الطوسی
۴۔ تفسیر قمی	امام حسن؏ عسکری، مرتبہ علی بن ابراہیم القمی
۵ تفسیر صافی	علامہ محسن کاشی
۶۔ مجمع البیان	علامہ طبرسی
۷۔ خلاصۃ المنہج	علامہ فتح اللہ کاشانی
۸۔ لوامع التنزیل	علامہ علی الحائری لاہوری
۹۔ تبیان	شیخ الطائفہ

۱۰- کتاب الخصائل	ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی۔ الصدوق
۱۱- احتجاج الائمہ	علامہ احمد بن ابوطالب طبرسی
۱۲- الرجال	ابوعمرو کشی
۱۳ حیات القلوب	ملا محمد باقر مجلسی اصفہانی
۱۴- بحار الانوار	ایضاً
۱۵ مجالس المومنین	قاضی نور اللہ شوشتری
۱۶- کشکول	حیدر بن علی الآملی
۱۷- غوالی اللآلی	ابن جمہور
۱۸- حملۂ حیدری	مرزا محمد رفیع باذل
۱۹- ناسخ التواریخ	مرزا محمد تقی کاشانی
۲۰- شرح تجرید	علامہ حلی
۲۱- کشف الغمہ	علی بن عیسیٰ اربلی
۲۲- فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ۔	علامہ سید علی تہرانی
۲۳ نزہت القلوب	حمد اللہ مستوفی
۲۴ استظہار الاخبار	قاضی احمد دامغانی
۲۵- مجمع آثار الملوک	قاضی رکن الدین جوینی

۲۶ نقض الفضائح	ملا عبدالجلیل قزوینی
۲۷- اطواق الحمامہ فی مباحث الامامہ	امام مؤید باللہ یحیی بن حمزہ زیدی
۲۸- رسالۃ فی الاعتقاد	شیخ الصدوق
۲۹- بحر الجواہر	محمد باقر بن سید محمد موسوی
۳۰- قوانین الاصول	علامہ مرزا ابوالقاسم
۳۱- کتاب الخرائج والجرائح	قطب الدین راوندی
۳۲- کتاب الانوار	نعمت اللہ الجزائری
۳۳- حق الیقین	ملاّ حسن
۳۴ اصل واصولِ شیعہ	علامہ محمد حسین آلِ کاشف الغطا

(۴) کتب اہل السنت

۱- صحیح بخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری
۲- صحیح مسلم	مسلم بن حجاج القشیری
۳- سنن	ابو داؤد
۴- سنن	ابو عیسیٰ الترمذی
۵- سنن	دارمی

۔ مُسنَد	امام احمد بن حنبلؒ
۔ مُسنَد	دار قطنی
۔ مُوطّا	امام مالکؒ بن انس
۹۔ مدخل	بیہقی
۱۰۔ تفسیر کبیر	فخر الدین رازی
۱۱۔ تفسیر اتقان	علّامہ جلال الدین سیوطی
۱۲۔ موضوعات کبیر	ملا علی قاری
۱۳ قانون الاخبار الموضوعہ والرجال الضعفاء	محمدؒ طاہر گجراتی
۱۴۔ الوجیز	جمال الدین المزنی
۱۵۔ الملل والنحل	شہرستانی
۱۶۔ کتاب الخراج	قاضی ابو یوسف
۱۷۔ الامامۃ والسیاسۃ	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری
۱۸۔ بدر الدجیٰ	مولانا محمد جہانگیر خاں
۱۹۔ تاریخ اسلام	ابو نعیم عبدالحکیم نشتر
۲۰۔ سیرت مہاجرین	سید معین الدین ندوی

---

(٣) دوسری کتابیں

١- قرآن

٢- انجیل

٣- گیتا

(۴) غیر مسلم مصنفین کی کتابیں

١-	بدھ مت	شیو نرائن شمیم
٢	MOHAMMAD AT MECCA	NTGOMERY WATT
٣	MOHAMMADAN DYNASTIES	NE POLE

بھائی بھائی

ڈاکٹر غلام جیلانی برق
ایم اے، پی ایچ ڈی

کتاب منزل — لاہور